اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل کے ساتھ

نومبر
2016

ماہنامہ

قندیل ادب

مدیر : رانا عبدالرزاق خان

07886304637 & 02089449385
rana_razzaq@hotmail.com

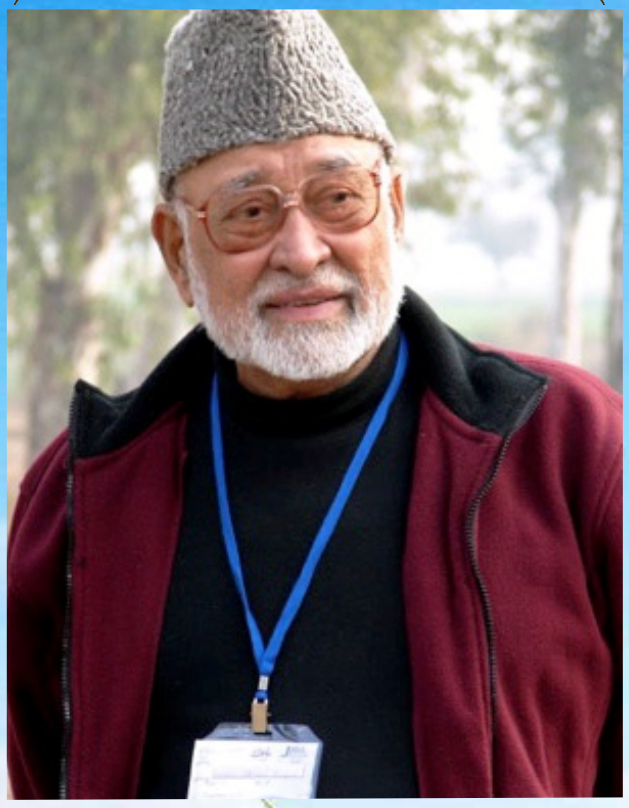

بشیر احمد رفیق

محترم بشیر احمد رفیق خان صاحب مرحوم کی یاد میں

واہ رے غمِ فراق یہ کیا کر گیا ہے تو
پل بھر میں خشک آنکھوں کو تر کر گیا ہے تو
ممکن نہیں یہ سوزشِ غم ہو سکے بیاں
پلکوں میں جوئے اشک رواں کر گیا ہے تو
تکتے ہیں راہ آج بھی سب جانتے ہوئے
یاروں کے ساتھ گھومنے باہر گیا ہے تو
چہرے کا نور دے ہے گواہی وفاؤں کی
اوڑھے ہوئے دعاؤں کی چادر گیا ہے تو
تیرا خلوص خدمت دیں کی رہا مثال
غیروں کے دل میں صدقِ مسیح بھر گیا ہے تو
ہاتھوں سے سپردِ لحد کیا سب نے مل کر آج
دل ہے کہ مانتا ہی نہیں، مر گیا ہے تو
دل میں چھپائے پیاس محمد ﷺ کی دید کی
شاید بجانب، طیبہ و کوثر گیا ہے تو
آدمؔ نہ گریہ کر نہ رُلا دوستوں کو آج
دیئے کے ٹمٹمانے سے کیا ڈر گیا ہے تو

(آدم چغتائی)

www.qindeel-e-adub.com

ماہنامہ
قندیل اَدب اِنٹرنیشنل لندن

مدیر اعلیٰ: رانا عبدالرزاق خاں

مجلس ادارت

بانی رُکن: محترم بشیر احمد رفیق خان صاحب مرحوم مدیر اعلیٰ: رانا عبدالرزاق خاں معاون مدیر: سید حسن خان

زکریا ورک، امجد مرزا امجد، ایم اے حق بھارت، خواجہ عبدالمومن ناروے، آصف علی پرویز

مدیر خصوصی: سہیل لون مینجنگ ڈائریکٹر: عاصی صحرائی فوٹوگرافی: قاضی عبدالرشید، فضل عمر ڈوگر آڈیو وڈیو: محمد اشرف خاکی

اراکین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی، منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کینیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، اے حق یو کے ٹائمز، ثقلین مبارک آسٹریلیا

رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید

فہرست

مولانا بشیر احمد خان رفیق کی یاد میں خاص نمبر	آپ کے خطوط (ادارہ)	2
اداریہ		3
غزلیات		8-4
پاکستان کی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کریں	رانا عبدالرزاق خاں	9
جنت سے جون ایلیا کا خط مقصود کے نام	زکریا ورک ٹورنٹو	10
معجزہ یا مثبت ایزدی	بلال افتخار	12
پاکستان میں ڈاکٹرز کی ٹارگٹ کلنگ	ناصر احمد شاہ	14
گاہے گاہے باز خواں	سلام بن رزاق	15
حور بانو	انیس النبی	17
مذہبی انتہا پسندی کی بنیادیں	قیوم نظامی	19
بے غرض محبت۔	فضل عمر ڈوگر	21
برازیل میں دُنیا کا اونچا قبرستان	فراز حمید خان	22
ایک دانا کی انٹرنیٹ سے متعلق اپنے بیٹے کو نصیحت	رجل خوشاب	23
تعارف	امجد مرزا امجد	25
طفیل خلش کی شاعری	عرفان احمد خان	27
تعلیم کی کمی	احمد منیب	29
حاصل مطالعہ	عاصی صحرائی	31
اہلیت اور قابلیت کا امتحان	ابن لطیف	35
مشاعرہ بیاد حضرت مبارک مونگیری	ادارہ	36
صحت سے متعلق خبریں	ادارہ	37-38
عالمی خبریں	ادارہ	39
بزم اطفال	ادارہ	40

قندیل ادب انٹرنیشنل کے بانی
مولانا بشیر احمد خان رفیق (مرحوم)
کی یاد میں خاص نمبر

ادارہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

کی جانب سے عنقریب محترم مولانا بشیر احمد خان رفیق (مرحوم) کی یاد میں خاص نمبر نکال رہا ہے۔ جس میں ان کے متعلق مضامین، مقالوں، نظموں، غزلوں کو جگہ دی جائے گی۔ قندیل ادب کے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے قارئین کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنے مقالات اور تصاویر جلد از جلد ارسال کریں۔

* یہ نمبر خوبصورت اور دیدہ زیب پرنٹ کیا جائے گا۔
* قارئین خاص شمارہ کی بکنگ فرمالیں۔
* نہایت معقول قیمت پر یہ دستیاب ہوگا۔
* کاروباری حضرات اپنے اشتہارات بھی اسمیں دے سکتے ہیں۔

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

علامہ اقبال

آپ کے خطوط

کینیڈا سے زکریا ورک لکھتے ہیں:

محترم مدیر صاحب قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ جان کر دل اداس ہو گیا کہ قندیل ادب کے نگران اعلیٰ محترم بشیر احمد رفیق لندن میں وفات پا گئے۔ مرحوم گونا گوں صفات کے مالک تھے۔ انگلش اور اردو میں متعدد کتابوں کے مصنف، اعلیٰ پایہ کے مقرر، منتظم، اور پرجوش، مخلص داعی الی اللہ تھے۔ آپ پچھلے سال ۶۰ سال سے برطانیہ میں مقیم تھے جہاں آپ ایک جانی پہچانی، مقبول شخصیت تھے۔

آپ بڑے ہی خوش قسمت انسان تھے جس کو دنیا کے دو عظیم انسانوں محترم سر محمد ظفر اللہ خاں اور نوبیل لاریٹ ڈاکٹر عبدالسلام کے ساتھ لمبا عرصہ گزارنے، ان سے علمی استفادہ کرنے کا موقعہ ملا۔ خاکسار کا آپ سے تعارف ۱۹۷۴ میں ہوا جب آپ کی طرف سے اطلاع ملی کہ دنیا کے اخبارات میں ربوہ کے واقعہ کے بعد جو خبریں شائع ہوئی ہیں ان کو اکٹھا کر کے آپ کو بھجوایا جائے۔ چنانچہ عاجز نے کینیڈا سے شائع ہونے والی خبروں کے تراشے آپ کو بھجوائے۔ تمام تراشوں، خبروں کو کتابی صورت میں ۱۹۷۶ء میں کے نام سے شائع کیا گیا۔

(From The World Press)

اس کے بعد ۱۹۷۶ء میں آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ہمراہ کینیڈا تشریف لائے تو اس وقت بھی آپ کے ساتھ گاہے بگاہے گفتگو کرنے کا موقعہ ملتا رہا۔ پچھلے دس سال سے آپ کی طرف سے بہت ہی معلوماتی باقاعدگی کے ساتھ ای میل وصول ہوتی رہیں جن سے نہ صرف میرے علم میں اضافہ ہوا، بلکہ میں ان ای میلز کو دوسروں کو بھجواتا رہا وہ بھی ان سے استفادہ کرتے رہے۔ آخری ای میل آپ کی طرف ۱۸ ستمبر ۲۰۱۶ کو وصول ہوئی تھی۔ جب آپ نے اپنی خودنوشت سوانح عمری انگلش میں لکھی تو وہ بھی آپ ای میل کے ذریعہ تمام احباب کو دنیا بھر میں بھیجتے رہے۔ چند خوش گوار یادیں تو ایسی شیریں اور علم افروز کتاب ہے کہ اس کو پڑھنے کو بار بار جی چاہتا ہے۔ آپ کے تمام محاسن اور کارناموں کو بیان کرنے کیلئے تو ایک دفتر چاہئے۔

(زکریا ورک کینیڈا)

اداریہ

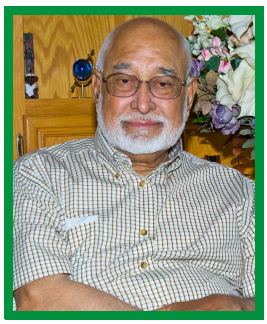

آہ۔محترم مولانا بشیر احمد خان رفیق

سابق امام مسجد لندن وفات پا گئے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

قندیل ادب انٹرنیشنل کے نگرانِ اعلیٰ خان بشیر احمد خان رفیق مورخہ 11 اکتوبر 2016ء کو اس فانی دُنیا کو الوداعی کہہ کر اپنے مولیٰ حقیقی سے پاس حاضر ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ادارہ قندیل ادب اُن کی رحلت پر سوگوار ہے۔ ادارہ آپ کی وفات پر اہل خاندان، عزیزوں خاص طور پر اُن کے بیٹے محترم خان منیر رفیق خان، خان محمود رفیق خان، اُن کی تینوں دختران سے اور دامادصاحبان سے اظہار تعزیت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر عطا فرمائے۔ نیز دعا گو ہے کہ خدا تعالیٰ اُن کے درجات بلند کرے، آپ سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ نیز جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ ۱۲ دسمبر 1931ء کو مکرم خان دانشمند خان صاحب کے گھر پشاور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم نے آپ کو ابتدائی تعلیم پشاور ہی سے دلوائی۔ آپ نے 1953ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ جامعہ سے شاہد کی ڈگری 1958ء میں کی۔ بطور مبلغ مشنری آپ کی تقرری لندن ساؤتھ فیلڈ مسجد فضل میں ہوئی۔ 1971ء میں واپس پاکستان گئے۔ جہاں آپ نے بہت سے اہم اور کلیدی عہدوں پر خدمات انجام دیں۔ برطانیہ میں بطور ایڈیٹر ریویو آف ریلیجز بھی کام کیا۔ 1968ء میں آپ کو صدر مملکت لائبیریا کی خصوصی دعوت پر بطور خصوصی مہمان بلایا گیا۔ اور لائبیریا کا اعزازی چیف مقرر کیا گیا۔ آپ نے 1978ء میں کامن ویلتھ انسٹیٹیوٹ لندن میں کسرِ صلیب کانفرنس کے موضوع پر انٹرنیشنل کانفرنس منعقد کروائی۔ کئی سال تک ایک معلوماتی دینی میگزین مسلم ہیرالڈ کے نام سے لندن سے اپنے ذاتی خرچ پر نکالتے رہے۔ آپ نے اُردو ادب کے لئے بہت سی خدمات انجام دیں۔ عرصہ دراز تک مشاعرے کرواتے رہے۔ جس میں بڑے بڑے شعراء حصہ لیتے۔ آپ نے انگریزی اور اُردو میں کئی کتب تصنیف کیں۔ ''چند خوشگوار یادیں'' آپ کی قلمی یادوں کا شاہکار ہے۔

آپ بہترین، مناظر، مباحث، مقرر، منتظم، اور بلا کے خطیب تھے۔ آپ دنیا کے تمام ممالک میں بسنے والے ہزاروں احباب سے بذریعہ ای میل، فون، ہمیشہ رابطے میں رہتے تھے۔ روزانہ کی بنیاد پر ہر قسم کی معلومات کا تبادلہ کرتے رہتے تھے۔ جہاں بھی آپ کو مدعو کیا جاتا، بلا تکلف پہنچ جاتے۔ اور محافل کو زعفران زار بنا دیتے۔ آپ متقی، عالم باعمل، نڈر اور ایک بہادر جرنیل تھے۔

آپ نے چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب سابق صدر عالمی عدالت انصاف کے قریب ترین ساتھیوں میں سے تھے۔ اُن کے طرزِ بیان سے سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے۔ کوئی واقعہ بھی اگر برسوں بعد دُہرانے کا موقع ملتا تو من وعن بیان کرتے۔ کوئی مبالغہ یا زائد بات شامل نہ ہوتی۔ بلا کی یادداشت تھی۔ آپ نے متعدد ممالک کے سفر کئے۔ اور اپنی یادداشتوں کو سپردِ قلم بھی کیا۔ آپ یقیناً سلطان نصیر کے مقام پر فائز تھے۔ خلیفہ وقت کی اطاعت ہر لحظہ اُن کا اوڑھنا بچھونا رہی۔ بچوں کی تعلیم و تربیت میں اپنے حسنِ کردار سے رنگ بھرے۔ جماعت میں کسی بھی تقریب میں احکامِ خلفائے وقت کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنا حق ادا کیا۔ مبلغ و مشنری ہونے کے ناطے سارے برطانیہ کا سفر کیا۔ جہاں جہاں جماعتیں قائم تھیں ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ہر دم تیار رہتے۔ کمال کے مہمان نواز تھے۔ تیمارداری بھی ان کا عمومی وطیرہ تھا۔

خدا تعالیٰ اُن کو غریق رحمت کرے اور آپ سے محبت کرنے والوں کو صبر عطا فرمائے۔ آمین

رانا عبدالرزاق خان

غزلیات

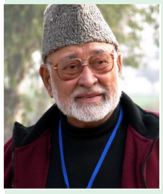

آہ۔امام بشیر احمد خان رفیق مرحوم

عاصی صحرائی

عہدِ حاضر کا اک باثمر تھا شجر
فصلِ شعروسخن میں تھا اس کا اثر
اس نے گیسُو سنوارے صداقت کے تھے
ربط مرشد سے اس کی محبت کے تھے
طابع ناصرؒ کا خادم وہ محمودؒ کا
معتمد وہ تھا طاہرؒ کا مسرور کا
اس کے لہجے میں خوشبو مہک بات میں
اس کا چہرہ تھا مثلِ ضیا رات میں
رنگ ہا رنگ پھولوں کا گلدان تھا
با عمل تھا وہ مومن کی پہچان تھا
فضل مسجد کی طاقوں کا قندیل وہ
رُوح تک تھا محبت میں تحلیل وہ
اپنے آقا کے خوابوں کی تعبیر تھا
صدق کی وہ کمانوں کا اک تیر تھا
وہ مومن، مجاہد، حلیم و شفیق
وہ تھا ظفراللہؒ کا ایک سچا رفیق
اک مبلغ وہ دینِ محمد ﷺ کا تھا
اس کو اپنے خدا کا ہی تھا آسرا
جا چکا ہے وہ اب اپنے مولا کے پاس
اس کے آگے نہ تھی یہ زمیں اس کو راس
اس کے درجات اونچے بہشتوں میں ہوں
اچھے اذکار اس کے فرشتوں میں ہوں
تھا مقرر، مورّخ، سفیرِ سخن
وہ تہہِ دل سے تھا اک محبِ وطن
تھا ادب کی وہ تاریخ کا سنگِ میل
تھا وہ عاصیؔ اندھیروں میں جلتی قندیل

شیخ ابراہیم ذوق

جُدا ہوں یار سے ہم، اور نہ ہوں رقیب جُدا
ہے اپنا اپنا مقدر جُدا نصیب جُدا
دکھا دے جلوہ جو مسجد میں وہ بُتِ کافر
تو چیخ اُٹھے مؤذن جُدا خطیب جُدا
جُدا نہ دردِ جُدائی ہو، گر مرے اعضاء
حروفِ درد کی صورت ہوں، ہے طبیب جُدا
ہے اور علم و ادب، مکتبِ محبت میں
کہ ہے، وہاں کا مُعلم جُدا، ادیب جُدا
فراقِ خلد سے گندم ہے سینہ چاک اب تک
الٰہی ہو نہ وطن سے کوئی غریب جُدا
کیا حبیب کو مُجھ سے جُدا فلک نے اگر
نہ کر سکا مِرے دل سے غمِ حبیب جُدا
کریں جُدائی کا کس کس کی رنج ہم؟ اے ذوقؔ
کہ ہونے والے ہیں سب ہم سے عنقریب جُدا

میر تقی میر

آئے ہیں میر کافر ہو کر خدا کے گھر میں
پیشانی پر ہے قشقہ زنار ہے کمر میں
نازک بدن ہے کتنا وہ شوخ چشم دلبر
جان اس کے تن کے آگے آتی نہیں نظر میں
سینے میں تیر اس کے ٹوٹے ہیں بے نہایت
سوراخ پڑ گئے ہیں سارے مرے جگر میں

آئندہ شام کو ہم رویا کڑھا کریں گے
مطلق اثر نہ دیکھا نالیدن سحر میں
بے سُدھ پڑا رہوں ہوں اس مست ناز بن میں
آتا ہے ہوش مجھ کو اب تو پہر پہر میں
سیرت سے گفتگو ہے کیا معتبر ہے صورت
ہے ایک سوکھی لکڑی جو بو نہ ہو اگر میں
ہمسایہ مغاں میں مدت سے ہوں چنانچہ
اک شیرہ خانے کی ہے دیوار میرے گھر میں
اب صبح و شام شاید گریے پہ رنگ آوے
رہتا ہے کچھ جھمکتا خوناب چشم تر میں
عالم میں آب و گل کے کیونکر نباہ ہوگا
سباب گر پڑا ہے سارا مرا سفر میں

نظیر اکبرآبادی

کہا جو ہم نے ہمیں در کیوں اُٹھاتے ہو
کہا کہ اس لئے تم یاں غل مچاتے ہو
کہا لڑاتے ہو کیوں ہم سے غیر کو ہمدم
کہا کہ تم بھی تو ہم سے نگہ لڑاتے ہو
کہا جو حال دل اپنا تو اُس نے ہنس کر کہا
کہا غلط ہے یہ باتیں جو تم بتاتے ہو
کہا جتاتے ہو ہم سے کیوں روز ناز وادا
کہا کہ تم بھی تو چاہت ہمیں جتاتے ہو
کہا کہ عرض کریں ہم پہ جو گزرتا ہے
کہا خبر ہے ہمیں زباں پہ کیوں لاتے ہو
کہا کہ روٹھے ہو کیوں ہم سے کیا سبب اس کا
کہا سبب یہی تم جو دل چھپاتے ہو
کہا کہ ہم نہیں آنے کہ یاں تو اس نے نظیرؔ
کہا کہ سوچو تو کیا آپ سے تم آتے ہو

پی پی سریواستورند

وہ جنگ جیت کے لوٹا، تو لوگ پوچھتے تھے
لہو اُچھالنے والا کدھر گیا آخر
کرے گا کون تعاقب اُداس لمحے کا
کیا جو علیل تھا مجھ میں وہ مر گیا آخر
جو ایک لفظ تڑپتا تھا میرے ہونٹوں پر
وہ کرب بن کے لہو میں اُتر گیا آخر
مجھے جنون تھا تاروں کو توڑ لانے کا آخر
مگر میں خود ہی خلا میں بکھر گیا آخر
تمام عمر کے دُکھ سکھ کو بانٹ کر اے رند
میرا غنیم میرے ساتھ مر گیا آخر

بی ایس جین جوہر میرٹھ

مستقبل اس گھرانے کا اچھا نہیں ہوتا
جس گھر میں ہنستا کھیلتا بچہ نہیں ہوتا
طاقوں پہ سجی رہتی ہیں بیکار کتابیں
بچوں کے کھیلنے کا کھلونا نہیں ہوتا
اس راہبر قوم سے اُٹھ جاتا ہے وشواس
جو اپنے قول و فعل میں سچا نہیں ہوتا
شعروں کی سجاتا ہوں تصور میں محفلیں
تنہائی میں بھی کبھی تنہا نہیں ہوتا
ہر گُل کا یک جُز ہے، ہر کل کا ایک جُز
دریا بھی کہاں ہو تا جو قطرہ نہیں ہوتا
انسان کو انسا ن سے بس پیار ہی ہوتا
گر پیار کے بیوپار میں گھاٹا نہیں ہوتا
دنیا سے کوئی جائے تو رُکتے ہیں کہیں کام
کیا مرغ نہیں ہوتا تو سویرا نہیں ہوتا
ہر دُکھ کو اگر لوگ فراموش نہ کرتے
تسکین کا سامان مہیا نہیں ہوتا

جلیل قمر کینڈا

خود تماشا ہیں خود تماشائی
بے بسی اس مقام پر لائی
پھول کی پنکھڑی کی سرگوشی
ہے کسی گُل بدن کی انگڑائی
آ گیا راس درد مٹی کو
راس آئی فلک کو زیبائی
جو تیرے ہجر سے میسر ہے
ہے بڑی باوفا تنہائی
خود پہ اُنگلی اُٹھانے والا ہوں
کر رہا ہوں تیری پذیرائی
درد دل میں پلٹ کے آیا ہے
درد کا ہے وطن یہ آبائی
پھر زبان چل پڑی جمیل قمرؔ
راس اس کو ہے آبلہ پائی

سلیم سرفراز

یہ کس نے کہہ دیا کہ آسماں میں ہوا
کہ گردشوں میں زمیں ہے وہیں جہاں میں ہوں
کبھی تھا خشک کناروں سے بھی گریز مجھے
اب اتفاق سے موجوں کے درمیاں میں ہوں
تو مجھ سے یوں متنفر نہ ہو سرِ صحرا
کہ ناتواں ہی سہی تیرا سائباں میں ہوں
بجھا دیا ہے سر شام آندھیوں نے جسے
اس چراغ سے اُٹھتا ہوں دھواں میں ہوں
پلک جھکتے ہیں آنکھوں میں ڈوب جاؤں گا
یقین کر کہ بس ایک منظر گماں میں ہوں
کبھی تو اِذن سخن اپنی بارہ گاہ میں دے
تیرے حضور زمانے سے بے زباں میں ہوں
جہاں میں کون توجہ سے مجھ کو سنتا ہے
کہ ایک سادہ و بے لطف داستاں میں ہوں
مری تلاش عبث کہ اس خرابے میں
غبارِ دشت کی مانند بے نشاں میں ہوں
بس ایک تعلق رفتہ کا پاس ہے ورنہ
تجھے نہ اُنس کوئی اور نہ مہرباں میں ہوں
تو خود کو ڈھونڈ رہا ہے ان آئینوں میں کہاں
کہ دیکھ مجھ کو کہ تیرا عکس رفتگاں میں ہوں
تو اپنی روشن مصروف زندگی سے سلیمؔ
مجھے نکال کہ اک وقت رائگاں میں ہوں

سیف الرحمان عباد

آتا ہے نظر اُن کا کردار اندھیرے میں
پوری طرح کھلتے ہیں سرکار اندھیرے میں
جب جب سنی پائل کی جھنکار اندھیرے میں
پیروں میں نظر آتی ہے دستار اندھیرے میں
قربان نہ کیوں جاؤں اس حسن سلیقہ پر
انکار اُجالے میں اِقرار اندھیرے مُں
کل تک تو وہ راتوں کو بس چونچ لڑاتے تھے
ہر بات پہ ہوتا ہے اب وار اندھیرے میں
یہ حسن کی عادت ہے یہ حسن کی فطرت ہے
کرتے ہیں وہ تیروں کی بوچھاڑ اندھیرے میں
ڈھاتی ہے ستم کیا کیا زلفوں کی درازی بھی
لڑکی نظر آتی ہے سردار اندھیرے میں
یہ سوٹ پٹھانی بھی کیا خوب چلا یارو!
دھوکہ ہمیں دیتی ہے شلوارا اندھیرے میں
ہم جیسوں کے پاس آنا پڑتا ہے رضیؔ اُس کو
ہوتا ہے جو اُلجھن سے دو چار اندھیرے میں

سید نصیر احمد شاہ

تیری قربتوں کے حصار میں میری زندگی کا نکھار ہے
تیری شفقتوں کی یہ فصلِ گُل میری ہر خزاں کی بہار ہے
میری لغزشیں نہ شمار کر، یہ رِدائے عفو میں ڈھانپ لے
کہ تو اُس خدا کا نقیب ہے جو رحیم ہے، غفّار ہے
تیرے سنگِ در پہ آشفتہ سر کا یہ رقصِ بسملِ مضطرب
تھیں وہ صحبتیں جو عطا مجھے یہ ہنوز اُن کا خمار ہے
وہ جو عزّتوں کا محیط ہے وہی ربِ عَزّ وَ جَل ، مگر
میری ہر انا میری سب خودی تیری اک نظر پہ نثار ہے
میرا عہد ہے میری سلسلے سے رفاقتوں کا میں مگر
میری جان، آل میرا وقت، مال تو امام وقت پہ ہی وار ہے
میری ہر دعا کی ہے ابتداء میری ہر دعا کی ہے انتہا
وہ مقامِ خدمتِ دیں ہو جو تیری ہر دعا میں شمار ہے

صفدر ہمدانی

حدود وقت میں اب ماہ و سال ہے ہی نہیں
جو حال میرا ہے وہ اس کا حال ہے ہی نہیں
کمال قرب یہی ہے کہ اس کے چہرے پر
کسی طرح کا کوئی ملال ہے ہی نہیں
وہ جس کی آنکھیں تیری چشم نیم باز سی ہوں
کسی بھی دشت میں ایسا غزال ہے ہی نہیں
وہ جس سے تیرے سروپا کی سب وضاحت ہو
مری بیاض میں ایسا خیال ہے ہی نہیں
تیری نگاہ کا سارا کمال ہے ورنہ
مرا تو اس میں کوئی بھی کمال ہے ہی نہیں
مثال دی جو میں نے تیرے تبسم کی
کسی ادب میں بھی ایسی مثال ہے ہی نہیں
کہا ہے کس نے محبت کو آگیا ہے زوال
محبتوں کو ابد تک زوال ہے ہی نہیں
ہے فاصلوں کو مقدر سمجھ لیا صفدرؔ
میرے نصیب میں شاید وصال ہے ہی نہیں

اطہر حفیظ فراز

دل کے شیشے پہ جونہی عکس تمہارا جائے ہے
جیسے عیسیٰ کوئی سولی سے گزار اجائے ہے
دل کا انجام دلی طور پر دل ہے جائے
پھر بھی حسرت اسی کافر کو پکار اجائے
اس کے جلووں سے بہکنے کے مناظر دیکھیں
اس کے کوچے میں فرشتوں کو اُتارا جائے ہے
آج گلشن میں کسی چاند کا آنا ہوگا
آج گلشن کو ذرا اور سنوارا جائے
تیرے چہرے کو تپش چھو کے نہ جانے پائے
جو بھی جانا ہے میری جان ہمار اجائے
جس نے اک بار سنامی کی جھلک دیکھی ہے
وہ سمندر میں اکیلا نہ دوبارہ جائے
تجھ سے بچھڑوں تو میری سانس بچھڑنا چاہے
یہ جو طوفان مصیبت ہے خدارا جائے
اس کا اک دم سے بچھڑنا یوں قیامت کر دے
جیسے بچے کی ہتھیلی سے غبارہ جائے
جیت اس شوخ حسینہ کو تبسم دے گی
دل کی خواہش ہے کہ یہ کھیل بھی ہارا جائے
اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں تناسب ہے نرالا
دیکھئے آج کہاں تک ہے ستارہ جائے

یاسمین بخاری

روئے ہیں کیوں یہ سنگ مرا سن کے ساز دل
مجھ پر اثر تھا یا تھے ترے غم ہی مضمحل
جس آگ کی تپش نے جلایا ہے میرا دل
پاگل ہوں اُس تپش سے کروں زخم مندمل
من کی جلن نے مجھ کو بنا ڈالا اک شرر
تو جل نہ جائے مجھ سے گلے اس قدر نہ مل
تو بھی بہار رُت سے کبھی فیض یاب ہو

اے میرے دل کی غنچے کسی روز تو بھی کھل
جس میں دکھائی دیتی تھی تجھ کو تیری حیات
اب بھی اُسی طرح ہے میری گال کا وہ تل
تجھ کو خبر نہیں کہ تیری جدائی میں
جیتی ہوں رکھ کہ سینے پہ میں کتنی بھاری سِل
چہرے پہ میرے زلف کو پھیلاؤ کسی دن
کیا روز گرجتے ہو برس جاؤ کسی دن
رازوں کی طرح اُترو میرے دل میں کسی شب
دستک پہ میرے ہاتھ کی کھل جاؤ کسی دن
پیڑوں کی طرح حسن کی بارش میں نہالوں
بادل کی طرح جھوم کے گھِر آؤ کسی دن
خوشبو کی طرح گزرو میرے دل کی گلی سے
پھولوں کی طرح مجھ پہ بکھر جاؤ کسی دن
پھر ہاتھ کو خیرات ملے بندِ قبا کی
پھر لطفِ شب وصل کو دُہراؤ کسی دن
گزریں جو میرے گھر سے تو رُک جائیں ستارے
اس طرح میری رات کو چمکاؤ کسی دن
میں اپنی ہر اک سانس اسی رات کو دے دوں
سر رکھ کے میرے سینے پہ سو جاؤ کسی دن

ساجد محمود رانا

کیوں مہر و محبت کے طلبگار ہوئے ہیں
ہم اپنے بدن واسطے آزار ہوئے ہیں
ہم دیکھ چکے عمر کی چالیس بہاریں
یونہی تو نہیں شاملِ انصار ہوئے ہیں
کم ظرف پرندوں کو یہ احساس نہیں ہے
مدت سے کھڑے راہ میں اشجار ہوئے ہیں
حیرت ہے غریبوں سے محبت نہیں جن کو
حیرت ہے کہ وہ شہر کے سردار ہوئے ہیں
وہ لوگ مرا ساتھ بھلا کیسے نبھائیں
ثابت جو فقط ریت کی دیوار ہوئے ہیں
آئینہ ء ہستی میں کوئی عکس نہیں ہے
ہم اپنے لیے ایسے بھی دشوار ہوئے ہیں
ممکن ہے عیادت کو چلا آئے وہ ساجد
یہ سوچ کے اک عمر سے بیمار ہوئے ہیں

مبارک صدیقی

جو اپنے حادثوں کے دکھ چھپائے مسکراتے ہیں
جو بنجر موسموں میں بارشوں کے گیت گاتے ہیں
جو تتلی پھول اور خوشبو کے موسم ساتھ لاتے ہیں
ابھی وہ لوگ باقی ہیں
جو زخمی فاختہ کو گھونسلے تک چھوڑ آتے ہیں
جو بچھڑی کونج کو پھر سے ڈار سے واپس ملاتے ہیں
اُسے تنہائیوں میں موت کے دکھ سے بچاتے ہیں
ابھی وہ لوگ باقی ہیں
جو شہر بے وفا میں کیا وعدہ نبھاتے ہیں
جو کرکے ہاتھ زخمی راہ سے کانٹے اٹھاتے ہیں
وہ جن کے ہاتھ میں دئے جھلملاتے ہیں
ابھی وہ لوگ باقی ہیں
جو اپنے نام سے انسانیت کو معتبر کر دیں
محبت کی نگاہ میں ایسی کہ ذرّے کو گہر کر دیں
جو پتھر کھائیں، دیکھیں، مسکرائیں درگزر کر دیں
ابھی وہ لوگ باقی ہیں
جو اپنی ذات کی پرچھائی سے آگے نکل جائیں
کسی کی آنکھ کہ آنسو ستاروں میں بدل جائیں
وہ جن کو دیکھ کر سب درد کے سورج پگھل جائیں
ابھی وہ لوگ باقی ہیں
وہ جن کے پاؤں میں کئی گرداب ہوتے ہیں
مگر وہ رُوح کی پاتال تک شاداب ہوتے ہیں
وہ ایسے لوگ جو ہر دور میں نایاب ہوتے ہیں
ابھی وہ لوگ باقی ہیں

پاکستان کی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کریں

رانا عبدالرزاق خاں لندن

پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جسکی سب سے بڑی ایکٹیو جنگی سرحد ہے جو کہ 3600 کلو میٹر ہے اور بدقسمتی سے پاکستان ہی دنیا کا واحد ملک ہے جو بیک وقت تین خوفناک جنگی ڈاکٹرائینز کی زد میں ہے جس کے بارے میں بہت تھوڑے لوگ جانتے ہیں آیئے آج ذرا اسکے بارے میں آپکو بتاتے ہیں۔!!

پہلے نمبر پر کولڈ سٹارٹ ڈاکٹرائین (Cold Start doctrine) ہے جو انڈین جنگی حکمت عملی ہے جسکے لیے انڈیا کی کل فوج کی 7 کمانڈز میں سے چھ پاکستانی سرحد پر ڈپلوئیڈ ہو چکی ہیں یہ انڈیا کی تقریباً 80 فیصد سے زیادہ فوج بنتی ہے اور اس ڈاکٹرائین کے لیے انڈین فوج کی مشقیں ، فوجی نقل وحمل کے لیے سڑکوں ، پلوں اور ریلوں لائنوں کی تعمیر اور اسلحے کے بہت بڑے بڑے ڈپو نہایت تیز رفتاری سے بنائے جا رہے ہیں اس ڈاکٹرائن کے تحت صوبہ سندھ میں جہاں انڈیا کو جغرفیائی گہرائی حاصل ہے وہ تیزی سے داخل ہو کر سندھ کو پاکستان سے کاٹتے ہوئے بلوچستان گوادر کی طرف بڑھیں گی اور مقامی طور پر انکو سندھ میں جسقم اور بلوچستان میں بی ایل اے کی مدد حاصل ہوگی۔۔ پاکستان کو اصل اور سب سے بڑا خطرہ اسی سے ہے اور پاک آرمی انڈین فوج کی اسی نقل وحرکت کو مانیٹر کرتے ہوئے اپنی جوابی حکمت عملی تیار کر رہی ہے۔۔ آپ نے سنا ہوگا پاکستان آرمی کی "عظم نو" مشقوں کے بارے میں جو پچھلے کچھ سال سے باقاعدگی سے جاری ہیں۔

یہ انڈیا کی کولڈ سٹارٹ ڈاکٹرائین کا جواب تیار کیا جا رہا ہے جسکے تحت پاک آرمی جارحانہ دفاع کی تیاری کر رہی ہے۔ گو کہ اس معاملے میں طاقت کا توازن بری طرح ہمارے خلاف ہے انڈیا کی کم ازکم دس لاکھ فوج

کے مقابلے میں ہماری صرف دو سے ڈھائی لاکھ فوج دستیاب ہے باقی امریکن ''ایف پاک'' ڈاکٹرائین کی زد میں ہے۔!!امریکن ایف پیک ڈاکٹرائن (Amrican afpak doctrine) باراک اوباما ایڈمنسٹریشن کی جنگی حکمت عملی ہے پاکستان کے خلاف جس کے تحت افغان جنگ کو بتدریج پاکستان کے اندر لے کر جانا ہے اور پاکستان میں پاک آرمی کے خلاف گوریلا جنگ شروع کروانی ہے۔

درحقیقت یہی وہ ڈاکٹرائن کے جس کے تحت اس وقت پاکستان کی کم ازکم دو لاکھ فوج حالت جنگ میں ہے اور اب تک ہم کم ازکم اپنے 20 ہزار فوجی گنوا چکے ہیں جو پاکستان کی انڈیا کے ساتھ لڑی جانی والی تینوں جنگوں میں شہید ہونے والوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے۔ اس جنگ کے لیے امریکہ اور انڈیا کا آپس میں آپریشنل اتحاد ہے اور اسرائیل کی تیکنیکی مدد حاصل ہے۔ اسکے لیے کرم اور ہنگو میں شیعہ سنی فسادات کروائے گئے اور وادی سوات میں نفاذ شریعت کے نام پر ایسے گروہ کو مسلط کیا گیا جنہوں نے وہاں عوام پر مظالم ڈھائے اور فساد برپا کیا جس کے لیے مجبوراً پہلی بار پاک فوج کو انکے خلاف ان وادیوں میں داخل ہونا پڑا۔ پاک فوج نے عملی طور پر انکو پیچھے دھکیل دیا لیکن نظریاتی طور پر ابھی بھی انکو بہت سے حلقوں کی بھرپور سپورٹ حاصل ہے جسکی وجہ سے عوام اپنی آرمی کے ساتھ اس طرح نہیں کھڑی جیسا ہونا چاہئے اور اسکی وجہ تیسری جنگی ڈاکٹرائن ہے جس کے ذریعے امریکہ اور اسکے اتحادی پاک آرمی پر حملہ آور ہیں اسکو فورتھ جنریشن وار کہا جاتا ہے!!

فورتھ جنریشن وار (Fourth-generation warfare) ایک نہایت خطرناک جنگی حکمت عملی ہے جسکے تحت ملک کی افواج اور عوام

میں مختلف طریقوں سے دوری پیدا کی جاتی ہے مرکزی حکومتوں کو کمزور کیا جاتا ہے صوبائیت کو ہوا دی جاتی ہے، لسانی اور مسلکی فسادات کروائے جاتے ہیں اور عوام میں مختلف طریقوں سے مایوسی اور ذہنی خلفشار پھیلایا جاتا ہے۔ اسکے ذریعے کسی ملک کا میڈیا خریدا جاتا ہے اور اسکے ذریعے ملک میں خلفشار، انارکی اور بے یقینی کی کیفیت پیدا کی جاتی ہے۔ فورتھ جنریشن وار کی مدد سے امریکہ نے پہلے یوگوسلاویہ، عراق اور لیبیا کا حشر کر دیا اب اس جنگی حکمت عملی کو پاکستان اور سریا پر آزمایا جارہا ہے اور بدقسمتی سے انہیں اس میں کافی کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ پاکستان کے خلاف فورتھ جنریشن وار کے لیے بھی امریکہ، انڈیا اور اسرائیل اتحادی ہیں باراک اوباما نے اپنے منہ سے کہا تھا کہ وہ پاکستانی میڈیا میں 50 ملین ڈالر سالانہ خرچ کریں گے آج تک کسی نے یہ سوال نہیں اُٹھایا کہ کس مقصد کے لیے اور کن کو یہ رقوم ادا کی جائیں گی جبکہ انڈیا کا پاکستانی میڈیا پر اثر ورسوخ دیکھا جاسکتا ہے۔ پاکستان کی ساری قوم اس امریکن فورتھ جنریشن وار کی زد میں ہے۔!! یہ واحد جنگ ہوتی ہے جسکا جواب آرمی نہیں دے سکتی آرمی اس صلاحیت سے محروم ہوتی ہے۔ چونکہ پاک آرمی کو امریکن ایف پاک ڈاکٹرائن کے مقابلے پر نہ عدالتوں کی مدد حاصل ہے نہ سول حکومتوں کی نہ ہی میڈیا کی اسلئے باوجود بے شمار قربانیاں دینے کے اس جنگ کو اب تک ختم نہیں کیا جاسکا ہے اور اسکو مکمل طور پر جیتا بھی نہیں جا سکتا جب تک پوری قوم مل کر اس امریکن فورتھ جنریشن وار کا جواب نہیں دیتی۔ فورتھ جنریشن وار بنیادی طور پر ڈس انفارمیشن وار ہوتی ہے اور اسکا جواب سول حکومتیں اور میڈیا کے محب وطن عناصر دیتے ہیں۔ پاکستان میں لڑی جانے والی اس جنگ میں سول حکومتوں سے کوئی امید نہیں اسلئے عوام میں سے ہر شخص کو خود اس جنگ میں عملی طور پر حصہ لینا ہوگا۔!!! اس حملے کا سادہ جواب یہی ہے کہ عوام۔ ''ہر اس چیز کو رد کر دے جو پاکستان، نظریہ پاکستان اور دفاع پاکستان یا قومی سلامتی کے اداروں پر حملہ آور ہو'' حسبی اللہ لآ اِلٰہَ اِلَّا ھُو عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ تمام محب وطن پاکستانیوں سے استدعا ہے کہ ان معلومات کو زیادہ سے زیادہ سب کو بتائیں تا کہ ہر فرد اپنے اور ملک دشمن عناصر کو پہچان سکے۔

جنت سے جون ایلیا کا خط مقصود کے نام

مرسلہ: زکریا ورک ٹورنٹو

انو جانی: تمہارا خط ملا۔ پاکستان کے حالات پڑھ کر کوئی خاص پریشانی نہیں ہوئی۔ یہاں بھی اسی قسم کے حالات چل رہے ہیں۔ شاعروں اور ادیبوں نے مر مر کر یہاں بھی بیڑا غرق کر دیا ہے۔ مجھے یہاں بھائیوں کے ساتھ رہنے کا کہا گیا تھا۔ میں نے کہا میں زمین بھائیوں کے ساتھ ہی رہا کرتا تھا، اب مجھے الگ کوارٹر عنایت فرمائیں۔

مصطفی زیدی نے یہ کام کر دیا اور مجھے کوارٹر مل گیا۔ مگر اس کا ڈیزائن نثری قسم کا ہے جو سمجھ میں تو آجاتی لیکن یاد نہیں رہتی۔ روزانہ بھول جاتا ہوں کہ میرا بیڈروم کہاں ہے؟ لیکن اس کوارٹر میں رہنے کا ایک فائدہ ضرور ہے۔ میر تقی میر کا گھر سامنے ہے۔ ان کے 250، اشعار جن میں وزن کا فقدان تھا نکال چکا ہوں مگر میر تقی سے کہنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔ کوچہ شعرو سخن میں سب سے بڑا گھر غالب کا ہے۔ میں نے میر سے کہا آپ غالب سے بڑے شاعر ہیں آپ کا گھر ایوان غالب سے بڑا ہونا چاہئے۔ میر نے جواب دیا دراصل وہ گھر غالب کے سسرال کا ہے۔ غالب نے اس پر قبضہ جما لیا ہے۔ میر کے گھر کوئی نہیں آتا سال بھر کے عرصہ میں صرف ایک بار ناصر کاظمی آئے وہ بھی میر کے کبوتروں کو دیکھنے کیلئے۔ ایوان غالب مغرب کے بعد کھلا رہتا ہے۔ جس کی وجہ تم جانتے ہو۔

مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک ''بار'' ہوتا Bar یہاں آکر یہ مصرعہ مجھے سمجھ میں آیا۔ اس میں بار انگریزی والا ہے۔ دوبار مجھے غالب نے بھی بلوایا لیکن منیر نیازی نے یہاں آکر پتہ کاٹ دیا۔ سودا کا گھر میرے گھر سے سو قدم کے فاصلے پر ہے۔ میں ان سے ملنے گیا فوراً کہنے لگے میاں تم میرا سودہ لا دیا کرو۔ سودا کا سودہ لانا میرے لئے باعث عزت ہے۔ لیکن جانی جب سودا جب حساب مانگتے تو میری جان نکل جاتی تھی۔ جنت کی مرغی اتنی مہنگی لے آئے۔ حلوہ کیا نیاز فتح پوری کی دکان سے لے آئے؟ تمہیں ٹینڈوں کی پہچان نہیں ہے۔ ہر چیز پر اعتراض، مجھے لگا کہ وہ شک کرتے ہیں کہ میں سودے میں سے پیسے رکھ لیتا ہوں۔ چار روز پہلے میں نے ان سے کہہ دیا کہ اردو ادب کی تاریخ کا میں پہلا واحد شاعر ہوں جو

80 لاکھ کیش چھوڑ کر یہاں آیا ہے۔ آپ کے ٹینڈوں سے کیا کماؤں گا۔ آپ کو بڑا شاعر مانتا ہوں اسی لئے آپکا کام کرنے پر راضی ہوا۔ آپ کی شاعری سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ آئینڈ ہ اپنا سودہ فیض سے منگوالیا کیجئے۔ تا کہ آپ کا تھوڑا بہت قرض تو چکائیں۔ میرے ہاتھ میں بینگن تھا وہ ان کو تھمایا اور کہا: بینگن کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں ایک نہر کے کنارے فراز سے ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا میرے بعد آئے ہو اس لئے مجھ سے بڑا اپنے کو شاعر نہ سمجھنا۔ فراز نے کہا مشاعرے میں نہیں آیا۔ پھر مجھ سے پوچھا امراؤ جان ادا کہاں رہتی ہے؟ میں نے جواب دیا رسوا ہونے سے بہتر ہے اپنے گھر چلے جاؤ۔ مجھے نہیں معلوم وہ کہاں رہتی ہے۔ ایک حور ہے جو ہر جمعرات کو میرے گھر آلو کا بھرتا بنا کے لے آتی ہے۔ شاعری کا بھی شوق ہے خود بھی لکھتی ہے۔ لیکن جانی جتنی دیر وہ میرے گھر رہتی وہ مشتاق یوسفی کا ذکر کرتی رہتی ہے۔ اس کو مشتاق یوسفی سے ملنے کا شوق ہے۔ میں نے کہا خدا ان کو لمبی زندگی دے پاکستان کو ابھی ان کی بہت ضرورت ہے۔ اگر ملنے کی مشتاق ہو تو زمین پر چلی جاؤ۔ جس قسم کی شاعری کر رہی ہو کرتی رہو وہ خود تمہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ اور پکنک منانے سمندر کے کنارے لے جائیں گے۔ ابن انشاء، دلاور فگار، سید محمد جعفری، فرید جبال پوری اور ضمیر جعفری ایک ہی کوارٹر میں رہتے ہیں۔ ان لوگوں نے 9 نومبر کو اقبال کی پیدائش کے سلسلے میں ڈنر کا اہتمام کیا تھا، فیض، قاسمی، فراز، صوفی تبسم ہم وقت پر پہنچ گئے تھے۔ کوارٹر میں اندھیرا تھا اور دروازے پر پرچی لگی تھی: ہم لوگ جہنم کی بھینس کے پائے کھانے جا رہے ہیں۔ ڈنر اگلے سال 9 نومبر کو رکھا گیا ہے۔ اگلے روز اقبال نے پریس کانفرنس کی اور ان سب کی ادبی محفلوں میں شرکت پر پابندی لگا دی۔ تم نے اپنے خط میں مشفق خواجہ کے بارے میں پوچھا تھا۔ وہ یہاں اکیلے رہتے ہیں کہیں نہیں جاتے۔ مگر حیرت کی بات جانی میں اردو فارسی کے بڑے بڑے شاعروں کو ان کے یہاں آتے جاتے دیکھا ہے۔ یہاں آنے کی جلدی نہ کرنا تمہارے وہاں رہنے میں میرا فائدہ ہے۔ اگر تم بھی یہاں آ گئے تو پھر مجھے وہاں کون یاد کرے گا۔ جیتے رہو اور کسی نہ کسی پر مرتے رہو۔ ہم بھی کسی نہ کسی پر مرتے رہے۔ مگر جانی جینے کا موقعہ ہی نہیں ملا... تمہارا جون ایلیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

مخدومی جناب امام بشیر احمد رفیق کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت

از مکرم محترم آفتاب احمد صاحب بسملؔ مرحوم و مغفور

ہم کو ملے ہیں دوست نئے، اک نئے رفیق — رطب اللساں ہے مدح میں جن کی ہر اِک فریق
حُسنِ بیان، نغمہ سماعت کے واسطے — شیریں سخن ہیں ایسے کہ سنتے ہی جایئے
دِلچسپ اِتنا اُن کا ہے اندازِ گُفتگُو — جی چاہتا ہے بیٹھے رہیں اُن کے رُوبرو
جو واقعہ بھی اُن سے سُنا یوں لگا کہ ہم — کرتے ہیں لَوحِ قلب پہ اِس بات کو رقم
دلچسپ شخصیّت ہے کہ ہر دِل میں گھر کرے — باتیں ہیں ایسی پیاری کہ بندہ سُنا کرے
ہیں یارِ دِلنواز، خلوص و وفا کی جان — مِل کر جنہیں ھُو لِ تمنّا کا ہو گُماں
تقریر اُن کی خوب ہے، تحریر ہے غضب — شعر و سخن نوا ز ہیں ، شیدائیِ ادب
مُدّت سے آرزو تھی کہ اس دوست سے ملیں — کچھ باتیں اُن کی ہم بھی سُنیں جی کو خوش کریں
شکرِ خُدا کہ ہوئی دِل کی آرزو — ہوتی ہے بار بار مُلاقات گُفتگُو

بسملؔ کی ہے دُعا کہ سلامت رہیں بشیر
یہ ہیں رفیق ایسے کہ جن کی نہیں نظیر

www.bashirrafiq.com

معجزہ یا مشیت ایزدی

بلال افتخار

اس کا نام ڈاکٹر احمد تھا اور وہ سعودی عرب کا معروف طبیب تھا۔ لوگ اس سے مشورہ لینے کے لیے کئی کئی دن تک انتظار کرتے۔ اس کی شہرت بڑھتی چلی گئی۔ دارالحکومت میں ایک انٹرنیشنل میڈیکل کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں اسے بھی دعوت دی گئی۔ اس کی خدمات کے پیش نظر فیصلہ ہوا کہ وہ اس کانفرنس میں نہ صرف کلیدی مقالہ پڑھے گا بلکہ اس موقع پر اسے اعزازی شیلڈ اور سرٹیفکیٹ بھی دی جائے۔ ڈاکٹر احمد اپنے گھر سے ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہوا۔ وہ بڑا خوش اور پُرسکون تھا۔ آج شام اس کی تکریم اور عزت کی جانے والی تھی۔ اس کا سوچ کر وہ اور بھی زیادہ آسودہ ہوگیا۔ ائیر پورٹ پر وہ معمول کی چیکنگ کے بعد فوراً ہی ہوائی جہاز میں سوار ہوگیا۔ اس کی فلائٹ وقت کے مطابق پرواز کرگئی۔ کوئی آدھ پون گھنٹے کے بعد ائیر ہوسٹس نے اعلان کیا ہم معذرت خواہ ہیں کہ طیارے میں فنی خرابی کے باعث ہم قریبی ائیر پورٹ پر اتر رہے ہیں۔ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ فلائٹ بغیر کسی رکاوٹ اور حادثے کے قریبی ائیر پورٹ پر اتر گئی۔ مسافر جہاز سے اتر کر لاؤنج میں چلے گئے۔ ڈاکٹر احمد بھی دیگر مسافروں کے ساتھ طیارے کی فنی خرابی کے درست ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد ائیر پورٹ اتھارٹی نے اعلان کیا:

خواتین وحضرات! انجینئر نے بتایا ہے کہ فنی خرابی کے درست ہونے کا فوری طور پر کوئی امکان نہیں ہے۔ لہٰذا مسافروں کے لیے متبادل طیارہ کا انتظام کیا جارہا ہے۔ یہ طیارہ کب آئے گا؟ کسی کو علم نہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد نیا اعلان ہوا کہ متبادل طیارہ کل ہی آسکتا ہے۔ ہم اس زحمت کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ اب آپ کو ہوٹل پہنچا دیا جائے گا۔ ڈاکٹر احمد کے لیے یہ اعلان نہایت تکلیف دہ اور پریشان کردینے والا تھا۔ آج رات تو اس کی زندگی کی نہایت اہم رات تھی۔ وہ کتنے ہفتوں سے اس رات کا منتظر تھا کہ جب اس کی تکریم ہونی تھی۔ وہ کرسی سے اُٹھا اور ائیر پورٹ کے اعلیٰ افسر کے پاس جا پہنچا، اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ میں انٹرنیشنل لیول کا ڈاکٹر ہوں۔ میرا ایک ایک منٹ قیمتی ہے۔ مجھے آج رات دارالحکومت میں مقالہ پڑھنا ہے۔ پوری دنیا سے مندوبین اس سیمینار میں شرکت کے لیے آئے ہوئے ہیں اور آپ لوگ ہمیں یہ خبر سنا رہے ہیں کہ متبادل طیارہ 24 گھنٹے بعد آئے گا۔ متعلقہ افسر نے اسے جواب دیا: محترم ڈاکٹر صاحب ہم آپ کی عزت اور قدر کرتے ہیں۔ ہمیں آپ کی اور دیگر مسافروں کی مشکلات کا اندازہ ہے۔ لیکن یہ ہمارے بس کی بات نہیں اور نیا طیارہ فوری طور پر فراہم کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ البتہ وہ شہر جہاں آپ کو کانفرنس میں شرکت کے لیے جانا ہے، یہاں سے بذریعہ کار سے صرف تین چار گھنٹے کی مسافت پر ہے۔

اگر آپ کو بہت جلدی ہے تو ائیر پورٹ سے کرایہ پر گاڑی حاصل کریں اور خود ڈرائیو کرتے ہوئے متعلقہ شہر پہنچ جائیں۔'' ڈاکٹر احمد لمبی ڈرائیونگ کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ مگر اب یہ مجبوری تھی اس کے پاس کوئی متبادل راستہ تھا ہی نہیں۔ اس نے متعلقہ آفیسر کے مشورے کو پسند کیا اور ایئرپورٹ سے کار کرایہ پر لے کر متعلقہ شہر کی جانب روانہ ہوگیا۔ ابھی کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ اچانک موسم خراب ہونا شروع ہوگیا۔ آسمان پر گہرے بادل نمودار ہوئے۔ تیز آندھی اس پر مستزاد تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے زوردار بارش شروع ہوگئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے اسے اندازہ ہی نہ ہوا کہ وہ کس سمت جارہا ہے۔ دو گھنٹے تک وہ مسلسل چلتا گیا، بالآخر اسے یقین ہوگیا کہ وہ راستے سے بھٹک چکا ہے۔

اب اسے بھوک اور تھکاوٹ کا احساس بھی بڑی شدت سے ہونے لگا۔ اس نے سوچا تھا: تین چار گھنٹے ہی کا سفر تو ہے، اس لیے اس نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی کوئی چیز بھی نہ لی تھی۔ اب اسے کسی ایسے ٹھکانے کی تلاش تھی جہاں سے اسے کھانے پینے کی کوئی چیز مل سکے۔ وقت تیزی سے گزرتا رہا تھا۔ چاروں طرف رات کا اندھیرا ابھی چھا

چکا تھا۔ایک چھوٹے سے گاؤں کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے غیر شعوری طور پر اپنی گاڑی ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے روک دی۔اس کا ہاتھ گھر کے دروازے پر دستک دے رہا تھا جب اندر سے ایک بوڑھی عورت کی نحیف و ناتواں آواز اس کے کانوں میں پڑی جو کہہ رہی تھی: جو بھی ہو اندر آجاؤ دروازہ کھلا ہے۔ڈاکٹر احمد گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت متحرک کرسی پر بیٹھی ہے۔اس نے خاتون سے کہا: اماں! میرے موبائل کی بیٹری ختم ہو چکی ہے، کیا میں اپنا موبائل چارج کر سکتا ہوں؟ بوڑھی عورت مسکرا کر کہنے لگی: میرے بیٹے کون سے فون کی بات کر رہے ہو؟ تمھیں معلوم نہیں اس وقت تم کہاں ہو؟ ہمارے ہاں نہ تو بجلی ہے نہ ٹیلی فون، یہ تو ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جہاں شہری سہولتوں کا کوئی تصور نہیں ہے پھر اس نے مزید کہا! میرے بیٹے وہ سامنے میز پر چائے اور کھانا رکھا ہے۔لگتا ہے کہ تم بھوکے اور پیاسے ہو۔راستہ بھٹک گئے ہو۔تم پہلے کھانا لو پھر بات کریں گے۔لگتا ہے تم خاصا طویل فاصلہ طے کر کے آئے ہو۔ڈاکٹر احمد نے اس بوڑھی خاتون کا شکریہ ادا کیا اور کھانے پر ٹوٹ پڑا۔سفر کی تھکاوٹ سے اسے شدید بھوک لگ رہی تھی۔اچانک خاتون کی کرسی کے ساتھ والی چارپائی پر حرکت ہوئی اور ایک معصوم نے رونا شروع کر دیا۔

خاتون نے اس بچے کو تھپک کر سلایا اور اسے دعائیں دینا شروع کیں۔وہ اس بچے کی صحت اور سلامتی کے لیے لمبی لمبی دعائیں کر رہی تھی۔ڈاکٹر احمد نے کھانا کھایا اور بوڑھی اماں سے کہنے لگا: اماں جان! آپ نے اپنے اخلاق' کرم اور میزبانی سے میرا دل جیت لیا ہے۔آپ لمبی لمبی دعائیں مانگ رہی ہیں۔امید ہے کہ اللہ تعالی آپ کی دعائیں ضرور قبول کرے گا۔''میرے بیٹے! وہ بوڑھی گویا ہوئی۔'' میرے اللہ نے میری تمام دعائیں سنی اور قبول کی ہیں۔ہاں بس ایک دعا باقی ہے جو میرے ضعفِ ایمان کی وجہ سے پوری نہیں ہوئی۔تم تو مسافر ہو، دعا کرو کہ وہ بھی قبول ہو جائے۔ڈاکٹر احمد کہنے لگا: اماں جان وہ کونسی دعا ہے جو قبول نہیں ہوئی۔آپ مجھے اپنا کام بتائیں میں آپ کے بیٹے کی طرح ہوں۔اللہ نے چاہا تو میں اسے ضرور کروں گا۔آپ کی جو مدد میرے بس میں ہو گی ضرور کروں گا۔خاتون کہنے لگی: میرے عزیز بیٹے! وہ دعا اور خواہش میرے اپنے لیے نہیں بلکہ اس یتیم بچے کے لیے ہے جو میرا پوتا ہے۔اس کے ماں باپ کچھ عرصہ پہلے فوت ہو چکے ہیں۔اسے ہڈیوں کی ایک بیماری ہے جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہے۔میں نے قریبی حکیموں، مہمانوں سے اس کے بڑے علاج کرائے ہیں مگر تمام اطباء اس کے علاج سے عاجز آ گئے ہیں۔

لوگوں نے مشورہ دیا ہے کہ اس ملک میں ایک ہی ڈاکٹر ہے جو اس ہڈیوں کے علاج کا ماہر ہے، اس کی شہرت دور دور تک ہے۔وہ بڑا مانا ہوا سرجن ہے۔وہی اس کا علاج کر سکتا ہے، مگر وہ تو یہاں سے بہت دور رہتا ہے پھر سنا ہے بہت مہنگا بھی ہے۔اس تک پہنچنا کوئی آسان کام تو نہیں ہے۔تم میری حالت تو دیکھ ہی رہے ہو، میں بوڑھی جان ہوں۔کسی وقت بھی بلاوا آ سکتا ہے۔مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد اس بچے کی نگہداشت کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ کوئی سبب پیدا کر دے کہ اس بچے کا اس ڈاکٹر سے علاج ہو سکے۔

عین ممکن ہے کہ اس یتیم بچے کو شفاء اسی ڈاکٹر کے ہاتھوں مل جائے۔ڈاکٹر احمد اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا، اس نے روتی ہوئی آواز میں کہا: اماں جان! میرا طیارہ خراب ہوا، راستے میں اُترنا پڑا کار کرائے پر لی، خوب طوفان آیا' آندھی اور بارش آئی، راستہ بھول گیا۔اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے گھر زبردستی بھجوا دیا۔اماں آپ کی آخری دعا بھی قبول ہو چکی ہے۔اللہ رب العزت نے ایسے اسباب مہیا کر دیے ہیں کہ وہ ہڈیوں کا بڑا ڈاکٹر خود چل کر آپ کے گھر آ گیا ہے۔اب میں آپ کے پوتے کا علاج کروں گا۔'' جب اللہ تعالی اپنے کسی بندے کی سنتا ہے تو پھر اس کو پورا کرنے کے لیے اسباب بھی خود ہی مہیا فرما دیتا ہے۔کائنات کی ساری مخلوق چاہے وہ جاندار ہو یا بے جان، اللہ کے حکم اور اس کی مشیّت کی پابند ہے۔اس واقعے میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالی نے زمین و آسمان کی مختلف قوتوں کو کام میں لا کر بوڑھی اماں کی دعا کو پورا کرنے میں لگا دیا۔

-

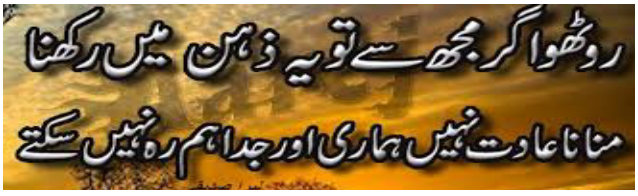

پاکستان میں ڈاکٹرز کی ٹارگٹ کلنگ

ناصر احمد شاہ

کسی بھی معاشرے میں مسیحا یا ڈاکٹر کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اس لیے کہ مسیحا اس ہستی کا نام ہے جو رنگ و نسل اور مذہب و ملت کے اختلافات سے بالا تر ہوتے ہوئے بیمار اور دکھی انسانیت کو شفایاب کرنے کے لئے ہمہ وقت مستعد اور دستیاب ہوتا ہے۔ اس فریضے کی انجام دہی کے دوران مسیحا اپنے سامنے موجود مریض کا مذہب یا مسلک نہیں پوچھتا، وہ اپنے دشمن کا علاج بھی اسی تندہی سے کرتا ہے جس طرح کسی عام مریض کا۔ اسی لئے عام طور پر مریض اور اس کے اعزا و اقربا مسیحا کے لئے نیک جذبات کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ ہاں بعض اوقات ذہنی بیماریوں کے شکار افراد کا طرزِ عمل دیگر ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر معاشرہ یا معاشرے کا بڑا حصہ ذہنی عوارض کا شکار ہو جائے تب کیا ہوگا؟ اس موقع پر مسلم لیگ نون کے ایک اہم ایم این اے کا ایک جملہ یاد آ رہا ہے جو انہوں نے پاکستان میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر حکومت کی پر اسرار خاموشی کے سوال پر کہا کہ ہم مجموعی طور پر ایک بیمار معاشرہ ہیں۔ کتنا مختصر مگر جامع تبصرہ ہے گو ذمہ داری سے فرار کا راستہ بھی۔ کیا ہم واقعی ایک بیمار معاشرے کا حصہ ہیں؟ اگر ایسا ہے تو معاشرے کی اس بیماری کی وجوہات اور ذمہ داران کا تعین بھی کرنا ہو گا۔ یہ کام ملک کے دانشوروں اور رہنماوں کا ہے۔ خدا انہیں حقیقت کا ادراک کرنے کی توفیق دے۔ بات ہو رہی تھی مسیحا اور اس کے مقام کی۔ لمحہءفکریہ یہ ہے کہ پاکستان میں مسیحاؤں یعنی ڈاکٹرز کی ٹارگٹ کلنگ کے واقعات بڑے تسلسل سے رونما ہو رہے ہیں۔

یہ ٹارگٹ کلنگ اگر مذہب اور مسلک کی بنیاد پر کی جائے تو بھیانک تر ہو جاتی ہے۔ مذہب اور مسلک کی بنیاد پر پاکستان میں ٹارگٹ کلنگ کا عمومی شکار سکھ، شیعہ اور احمدی ہیں۔ میری معلومات کے مطابق امسال جون کے مہینے میں دو احمدی ہومیو پیتھک ڈاکٹرز کو ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ایک واقعہ اٹک کا ہے اور دوسرا تازہ واقعہ کراچی کا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا کوئی مذہب اور مہذب معاشرہ مذہبی اختلافات کو بنیاد بنا کر قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت دیتا ہے؟ کسی کی جان لے لینا تو ایک انتہائی قدم ہے۔ کیا سکھ، ہندو، عیسائی، شیعہ اور احمدی پاکستانی نہیں ہیں؟ کیا آئین انہیں پاکستانی شہری ہونے کے ناطے کچھ حقوق عطا نہیں کرتا؟ کیا مختلف مذہبی اعتقادات رکھنے کی سزا اس قدر بھیانک ہوتی ہے کہ ایک انسان سے جینے کا حق چھین لیا جائے؟

کیا مدینہ میں مختلف مذہبی اعتقادات رکھنے والے لوگ اور قبیلے موجود نہیں تھے؟ کیا وہ اپنے نظریات کا پرچار نہیں کرتے تھے؟ محض عقیدے کے فرق کی بنا پر کتنے یہودیوں کی گردنیں ماری گئیں؟ کتنے مشرک اور کافر قتل کئے گئے؟ پھر ہمارے ہاں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اقلیتوں کا جینا عذاب کیوں ہے؟ ہمارے اندر اس قدر عدم رواداری اور عدم برداشت کیوں ہے؟ حمزہ علی عباسی کا واقعہ ہی لے لیں۔ کیا کسی پاکستانی کو تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے آئین اور قانون پر بات کرنے کی اجازت نہیں ہے؟ نہیں تو کیوں نہیں ہے؟ اگر ہے تو کہاں ہے؟ کم از کم اقلیتوں کے معاملے میں تو مجھے یہ اجازت اور آزادی کہیں نظر نہیں آتی۔ سلمان تاثیر کا جرم کیا تھا؟ اقلیتوں کے حق میں آواز اٹھانا۔ اب حمزہ علی عباسی کا قصور بھی یہی ہے نا۔ پیمرا نے حمزہ علی عباسی کو تو بین کر دیا۔ لیکن میڈیا پر مذہب اور مسلک کی بنیاد پر نفرت پھیلانے والے اینکرز اور ان کے مہمانانِ گرامی کو بین کون کرے گا؟ عامر لیاقت کو اقلیتوں کے خلاف زہر افشانی کا حق آئین کی کس شق کے تحت دیا گیا ہے؟ کچھ عرصہ پہلے عامر لیاقت کے ایک ایسے ہی پروگرام کے بعد ایک اقلیتی گروہ کے خلاف جو کاروائی ہوئی اس کا ذمہ دار پیمرا ہے، عامر لیاقت یا وہ چینل؟ ہم واقعی ایک بیمار معاشرہ ہیں۔ ہماری بیماری ہے بھی ذہنی۔ ہمیں نہ تو رہبر کا پتہ ہے نہ ہی رہزن کی پہچان۔ ہم مریض تو ہیں لیکن مسیحائی کے خلاف ہیں۔ ہم بیماری کے اسباب کا تعین کرنا چاہتے ہیں نہ ہی اصلاح کے خواہاں ہیں۔ جب سیاسی اور مذہبی رہنما اختیارات اور

اقتدار کی ہوس میں مبتلا ہو جائیں تو بیمار معاشرے ہی جنم لیا کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے آج بھی پاکستانیوں کی اکثریت شریف النفس لوگوں پر مشتمل ہے۔ ہمارے رہنما اگر آج بھی اس انبوہ کی درست سمت میں اہنمائی کر سکیں تو ایک روشن مستقبل ہمارا منتظر ہے۔ ایک عام پاکستانی کو عام طور پر اس سے غرض نہیں کہ اس کے ہمسائے کے مذہبی اعتقادات کیا ہیں؟ وہ بہر حال اس کا ہمسایہ ہے اور ماں جایہ ہے۔ علماء کو چاہئے کہ امن اور آشتی کا درس دیں۔ باہمی رواداری اور برداشت کو فروغ دیں۔ میڈیا پر ایسے پروگرام نشر کیے جائیں جن سے تمام مذاہب اور مسالک کے لوگ یکساں استفادہ کر سکیں۔ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ کوئی دل گرفتہ نہ ہو۔

مجھے یہ بھی یقین ہے کہ ایک عام پاکستانی اتنی وسعت قلبی رکھتا ہے کہ وہ معاشرے کے کسی بھی مظلوم طبقے کے حق میں بات سن سکے۔ کسی بھی اقلیت کے حقوق کی بحالی کے لئے بلند کی گئی آواز پر ایک عام پاکستانی کی دل آزاری نہیں ہوتی۔ لیکن میں خواص کا کیا کروں؟ ان سادہ لوحوں کا کیا کروں جنہوں نے ان لوگوں کو اپنا رہنما اور لیڈر تسلیم کر لیا جو بقول ان کے پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے۔ جب پاکستان کے قیام کی تحریک زوروں پر تھی تو بہت سے مسلمان علما نے خم ٹھونک کر جناح اور اس کے پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ مجھے تو آج بھی اس روش میں کوئی تبدیلی دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں چہرے اور انداز تبدیل ہو گئے ہیں لیکن منزل وہی ہے۔ ہمارے سیاستدان بھی کن لوگوں کے ہاتھوں یرغمال بنتے رہے ہیں۔ ان لوگوں نے ہماری تاریخ اور نظریہ تک ہم سے چھین لیا ہے۔ کہاں ہے قائد کی ۱۱ اگست کی تقریر جو اقلیتوں کو مکمل آزادی دینے کی ضامن ہے۔ ہمارے تعلیمی اداروں میں پڑھائی جانے والی تاریخ کا حلیہ کس نے، کب اور کیوں بگاڑا ہے؟ آج کے راندہء درگاہ کبھی قائد کے معتمد ساتھی اور ان کی آنکھ کا تارا ہوا کرتے تھے۔ آہ آج ہماری تاریخ کے صفحات پر کہیں جوگندر ناتھ منڈل، سیسل چودھری، سر ظفر اللہ خان اور ڈاکٹر عبدالسلام جیسے لوگ کہیں نظر نہیں آتے۔ اگر ان لوگوں کو ان کا جائز مقام دے دیا جائے تو قیام پاکستان اور استحکام پاکستان میں اقلیتوں کا کردار اجاگر ہونے سے پاکستان میں بسنے والی اکثریت اور اقلیتیں باہم قریب تر ہو جائیں گی۔

گاہے گاہے باز خواں

اردو ادب عالیہ کا تجزیاتی مطالعہ اور قرۃ العین حیدر کی کاوشوں کا تذکرہ

سلام بن رزاق

قرۃ العین حیدر اردو ادب کی ایسی مایہ ناز ادیبہ تھیں جنہوں نے نہ صرف اردو میں بلکہ برصغیر کی دیگر زبانوں میں بھی اپنے فن کا لوہا منوایا۔ ان کے ناولوں اور افسانوں کے اہم عناصر دو ہیں۔ ماضی کی بازیافت اور تہذیبوں کی شکست و ریخت اک المیہ۔ اس بات کا اعتراف خود مصنفہ نے کئی بار کیا ہے۔ اپنی خودنوشت میں ایک جگہ لکھتی ہیں۔ میں نے اپنی پہلی کہانی شاید سات برس کی عمر میں لکھی تھی۔ جو اس طرح شروع ہوئی تھی۔ رات کے بارہ بجے تھے کاٹھ گودام کے اسٹیشن پر قلی لالٹین لئے ادھر اُدھر دوڑتے پھرتے تھے۔ ہیروئن میری گڑیا تھی جو خود ہی ٹکٹ خرید کر پاؤں پاؤں چل کر غلط ٹرین میں بیٹھ گئی تھی۔ اگرچہ ان سطور کو انہوں نے اپنی پہلی کہانی کے طور پر پیش کیا ہے۔ مگر اس عبارت سے اُن کے ذہنی رویہ اور فکری رُجحان کا پتہ چلتا ہے۔

لگتا ہے کہ ان کے دل میں بچپن سے ہی اَنجانی دُنیاؤں کی سیر کی خواہش آسودہ خاطر ہونے کو مضطر اور بے قرار تھی۔ گڑیا کا غلط ٹرین میں بیٹھ جانا اپنے آپ میں ایک تھرِل ہی نہیں اَنجانے سفر کا استعارہ بھی ہے۔ قرۃ العین حیدر کی زندگی کی نشیب و فراز اور ان کی بے پناہ تحریروں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں ان کی گڑیا وہ خود غلط ٹرین میں سوار ہو گئی تھیں۔ ایک ایسی ٹرین جو ہر موڑ پر زمانہ حال کی دیواروں سے نکل کر ماضی کے دُھندلکوں میں داخل ہو جاتی ہے۔ جسمانی طور پر وہ دنیا کے مختلف اور نئی بستیوں کی سیر کرتی ہیں مگر ذہنی طور پر وہ ہر پل ہر گھڑی ماضی کی کھنڈروں میں شکستی تہذیبوں کی کرچیاں چنتی رہیں۔ اس تلاش و جستجو کے نتیجہ میں اُن کی آنکھیں لہو روتی رہیں اور قلم آگ اُگلتا رہا۔ تاریخ اور تہذیب سے شروع سے انہیں دلچسپی رہی۔ وہ عرب عبرانی ایرانی تورانی اور ہندوستانی ورثے کو اپنی تحریروں کا لازمی حصہ سمجھتی ہیں۔

موقعہ ملنے پر موہن جوداڑو کے بارے میں لکھنا چاہتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں like back anc backwould انہوں نے ایک کہانی بھی لکھی تھی'' روشنی کی رفتار'' جس میں ایک لڑکی ٹائک مشین میں بیٹھ کر تیرھویں صدی قبل مسیح میں چلی جاتی ہے۔ غالبا یہ وہی لڑکی ہے جو غلط ٹرین میں بیٹھ گئی تھی اور اب ٹائم مشین کے ذریعہ تیرھوں صدی قبل مسیح کے مصر کی سیر کرنے نکل گئی ہے۔'' میرے بھی صنم خانے'' سے لے کر ''آگ کا دریا'' آخر شب کی ہم سفر گردش اور کا جہاں دراز تک ان کے تقریبا سبھی ناولوں میں ماضی کی بازیفت کے ساتھ ٹوٹی بکھرتی تہذیبوں کا المیہ دکھائی دیتا ہے اور یہی موضوع ان کے فن کا مرکز اور محور ہے۔ قرۃ العین پر ہمارے نقادوں نے کم توجہ دی ہے اور جتنی دی ہے وہ بھی غیر تسلی بخش۔ خود قرۃ العین حیدر کا ماننا ہے کہ ان کی تحریروں کے استعارے علائم اور تلمیحات کو اکثر نقادوں نے قطعا نظر انداز کر دیا ہے۔ یا غلط مطالب اخذ کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ناقدین سے سخت برہم نظر آتی ہیں۔ ایک جگہ لکھتی ہیں:۔

''مجھ سے اکثر طنزاً کہا جاتا ہے کہ آپ کی تحریروں پر لکھنے کے لئے بہت سے علوم سے واقف ہونا چاہیے یہ بالکل سہل بات ہے۔ اگر ناقدین نے اپنے آپ کو ادب کا پارک مان کر گدیاں سنبھالی ہیں تو یقناً اُن کو بہت سی پوتھی بانچنی چاہیئیں۔ ادب گہری چیز نہیں۔''

انہیں اردو کے علاوہ انگریزی فارسی عربی پر بھی دسترس حاصل تھی۔ وہ یورپ کی کئی زبانوں سے بھی واقف تھیں اس لئے ان کے اسلوب میں ان زبانوں کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ غیر زبانوں کے الفاظ کے استعمال کی سبب بعض اوقات ان کی تحریروں میں قاری کو نامانوسیت کا احساس ہوتا ہے مگر ان کا گہرا تاریخی شعور اسرار اور تحیر سے بھرپور فضا اور موضوع کی ہمہ گیریت قاری کو نئے جہانوں کی بھی سیر کراتی ہے۔ یوں تو قرۃ العین حیدر اپنے ناولوں کے لئے زیادہ مشہور ہیں۔

ناول نگاری میں ان کا مقام پریم چند کے بعد سب سے ممتاز ہے۔ انہوں نے ایک درجن کے قریب ناولٹ اور کئی ناول کھے بطور افسانہ نگار ان کا ذکر کرشن چندر، بیدی، عصمت، اور منٹو جسے قد آور افسانہ نگاروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ انہوں نے اردو ادب کو قلندر روشنی کی رفتار فارس ملفوظات بابا بابا یگ تاشی، ڈالن وال، ڈاکٹر ڈگے کی ہنسی، کہرے کے پیچھے جیسے کئی یادگار افسانے دئے ہیں۔ یہاں گاہے بگاہے بازخواں کے تحت ان کے افسانہ ''نظارہ درمیاں ہے'' کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔ یہ ایک رومانی افسانہ ہے۔ استعاروں علامتوں اشاروں کنایوں سے مبرا یہ ا فسانہ خالص بیانیہ اسلوب میں لکھا گیا ہے۔ افسانے کی ایک ایک سطر آئینہ کی طرح صاف ہے لیکن جب افسانہ ختم ہوتا ہے تو قاری ایک عجیب سے کیفیت میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔ افسانہ کا موضوع آنکھوں کی پیوند کاری ہے۔ جو طب کی ایک معروف تکنیک ہے۔ انداز اًیہ افسانہ چالیس برس پہلے لکھا گیا تھا۔ جب یہ تکنیک نئی نئی متعارف ہوئی تھی۔ غالباً اس موضوع پر اُردو میں یہ پہلا افسانہ ہے جسے مصنفہ سے پوری دل جمعی کے ساتھ لکھا ہے۔ افسانے کا پلاٹ کہرا ضرور ہے مگر انداز پیش کش افسانہ کو تہہ دار بنا دیتا ہے۔ الماس بیگم ایک بڑے سرمایہ دار کی بیٹی ہے مگر شادی کی عمر تجاوز کر چکی ہے۔ اس کی خالہ بیگم عثمانی خورشید عالم سے اس کی دوستی کرا دیتی ہے۔ خورشید عالم ایک ضرورت مند بیروزگار نوجوان ہے۔ جو یورپ سے لوٹ کر تلاش معاش میں سرگرداں ہے۔ الماس بیگم اسے ملازمت دلانے کے بعد دھیرے دھیرے اس کے گرد اپنی چاہت کا جال بنتی ہے۔

اس طرح مکڑی اور مکھے کا کھیل شروع ہو جاتا ہے۔ اصل میں خورشید عالم پیرو جادوست سے محبت کرتا ہے جو یورپ میں ہے اور جلد ہی انڈیا آنے والی ہے۔ اس دوران خورشید عالم کچھ عرصہ کے لئے اپنے گاؤں چلا جاتا ہے۔ ادھر پیرو جادوست انڈیا آجاتی ہے اس کی ملاقات الماس بیگم سے ہو جاتی ہے۔ الماس بیگم کو جب پتہ چلتا ہے کہ پیرو جا دوست خورشید عالم کی محبوبہ ہے تو اس کے دل میں جذبہ رقابت کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور وہ کچھ ایسے حالات پیدا کرتی ہے کہ خورشید عالم پیرو جادوست سے بدظن ہو کر الماس بیگم سے شادی کر لیتا ہے۔ ادھر پیرو جا دوست اپنے محبوب خورشید عالم کو پانے میں ناکام ہونے کے بعد ایک حادثہ کا شکار ہو جاتی ہے مرنے سے پہلے وہ اپنی آنکھیں ہسپتال کو بطور عطیہ دے دیتی ہے۔ آنکھیں ایک غریب لڑکی تارا بائی کو لگا دی جاتی ہیں۔ جو خورشید عالم کے یہاں ملازم ہے تارا بائی خورشید عالم کی بڑی

عقیدت کے ساتھ خدمت کرتی ہے خاص طور پر خورشید عالم کی ذاتی چیزوں کو بڑی حیرت وحسرت سے دیکھتی ہے۔ یہ ایک قیاس ہوسکتا ہے کہ آنکھوں کی پیوند کاری کے بعد ان کی تہہ میں ماضی کے کچھ مناظر، اشیاء اشخاص کے دھندلے نقوش رہ گئے ہیں لیکن مصنفہ نے اس خیال کو جس ہنرمندی سے افسانے کے پیکر میں ڈھالا ہے وہ قیاس سے زیادہ حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ افسانہ ممبئی کی پارسی برادری کے پس منظر میں لکھا گیا ہے جس میں ان کے عادت واطوار روزمرہ اور طرز زندگی کو فطری انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ افسانہ میں پیرو جا دوست کا کردار ایک پاکباز سچا پیار کرنے والی معصوم دوشیزہ کی صورت میں اُبھرتا ہے اور قاری کے ذہن میں گہرا نقش چھوڑتا ہے۔ محبت کی صداقت کا افسانہ ہے جسے مصنفہ نے (نظارہ درمیاں ہے) میں امر کر دیا ہے۔ افسانے کا عنوان ذیل کے شعر سے ماخوذ ہے۔

تو سامنے ہے اپنے بتلا کہ تو کہاں ہے
کس طرح تجھ کو دیکھو نظارہ درمیاں ہے

عنوان کی بلاغت نے افسانے میں گہری معنویت پیدا کر دی ہے۔ افسانے کے کلائمکس میں خورشید عالم کو تارا بائی کی آنکھوں کی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے تو وہ گہرے صدمے سے دوچار ہوجاتا ہے اور دیوانوں کی طرح تارا بائی کی آنکھوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ اس وقت قاری بھی ایک ناکام محبت کی خلش کو اپنے جگر میں محسوس کرتا ہے اور اس کے دل میں خورشید عالم کے لئے ایک نامعلوم ہمدردی کا جذبہ اُبھرتا ہے۔ یہی اس افسانہ کی کامیابی ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ تریاق اکتوبر ۲۰۱۶)

عورت

عورت نشہ ہے، فریب ہے، سراب ہے، رُسوائی ہے اور وہ سب کچھ ہے جو انسان کو بدی کی طرف راغب کرتا ہے۔ عورت پاکیزگی ہے، عصمت ہے، سراپا تقدیس ہے اور سب کچھ ہے جو انسان کو انسانیت کے معراجِ کمال پر لے جاتا ہے۔ جس آسانی سے یہ ایمان کو غارت کرسکتی ہے اُسی آسانی سے یہ اُسے عطا بھی کرسکتی ہے...'' (اقتباس: گومی اور پنڈت از کرشن چندر)

افسانہ

حور بانو

انیس النبی

لڑکپن میں اسے اپنی بدصورتی کا احساس ہو چکا تھا کہ ہمجولیوں سے کھیل اور جھگڑے کے دوران کوئی سہیلی اسی کالی کلوٹی چپٹی کہہ دیتی تو اس کے ناچتے بھاگے قدم رُک جاتے، آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں اور کچھ دیر تک نے جان شئے کی طرح بن جاتی۔ شروع شروع میں اس طرح کی ہتک سے اس کی جان نکل جاتی تھی اور وہ اپنی ہستی کے بے آواز چیخ سن کر ایسی پناہ گاہ ڈھونڈتی جہاں حسن کا معیار اعضا کے تناسب سے نہیں کسی اور طریقہ سے پرکھا جائے۔ ذلت کا سلسلہ سہیلوں تک ہی موقوف ہوتا تو وہ صبر کر لیتی لیکن ضبط کا سفر تو اتنا لمبا تھا کہ منزل منزل تو پڑاؤ بھی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ اس کے دو بھائی بہن گورے چٹے اور خوبصورت تھے۔ وہ سوچتی، جب سب خوبصورت ہیں تو میں ایسی کالی کلوٹی کیوں؟ میری ناک چپٹی کیوں اگر ابو کے دوست کی بیٹی ہوتو اتنی دکھی ہوتی نہ لوگ مجھے اتنا دکھ دیتے۔ دن کے وقت تو وہ سمٹی سمٹی اور بجھی بجھی رہتی لیکن رات کے سمے اپنے اندر سے بیدار ہوتی۔ گہری نیند میں ڈوبے ہوئی ماں باپ اور بھائی بہن کی شکل و شباہت غور سے دیکھتی اور سوچتی میرے اپنے کتنے خوبصورت ہیں۔ ان کے رنگ روپ کتنے دلکش ہیں کہ بس دیکھتے جاؤ اور دل نہ بھرے۔

دن کے وقت ان سب کو اس طرح غور سے دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی لیکن رات اس کے اپنوں کو سلا دیتی اور اسے جگا دیتی اور وہ اپنے اپنوں سے اپنے حصہ کا پیار چپکے سے چرا لیتی۔ دن کے وقت اگر وہ انہیں غلطی سے دیکھ لیتی تو کوئی نہ کوئی ان کے دل پر سوئی چبھو دے کہ اس طرح نظریں گاڑھ کر کیا دیکھ رہی ہے۔ جلن ہو رہی ہے تجھے؟ مگر لوگوں کی کڑوی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اللہ سے کہتی اللہ تعالیٰ آپ بہت اچھے ہیں میرے ماں باپ بھائی بہن کو میرے جیسے نہیں بنایا میں ان سے جلتی نہیں ان پر فخر کرتی ہوں لیکن سب لوگ سمجھتے ہیں کہ میں اپنے چہرے کی طرح بری ہوں۔ میں سب کو سمجھانا چاہتی ہوں کہ میں بری نہیں ہوں۔ میرا دل بہت اچھا ہے لیکن کوئی میری بات سنتا ہی نہیں۔ مجھ پر کسی

کی آنکھ ٹھہری ہی نہیں سب مجھ احساس دلاتے ہیں کہ میں ان کے درمیان بے وجہ ہوں جیسے انچھا وجوہ۔ کسی کی آنکھ میں بے رغبتی دیکھتی ہوں تو میرے اندر سے اللہ کے لئے آواز اُبھرتی ہے میر یہر تخلیق میری شاہکار ہے۔ پھر وہ آواز مجھے ذہنی طور سے بچاتی۔ کچھ لوگ تو میرے نام کا بھی مذاق اُڑاتے ہیں ''حور بانو'' بچپن میں حور بانو کا مطلب نہیں معلوم تھا لیکن جب معلوم ہوا کہ حور بانو کا مطلب جنت کی حسین عورت'' تب مجھے احساس ہوا کہ اس نام کی میں حقدار نہیں۔ ایک دن اپنی امی کو اچھے موڈ میں دیکھ کر اس نے پوچھا کہ اس کا نام کس نے رکھا؟ ماں نے بتایا نسا نانی کے۔ نسا نانی اس کی ماں کی خالہ تھیں۔ ان کی بات کوئی رد نہیں کرتا وہ دولت مند تھیں اور علم الاعداد سے واقف تھیں۔ سرطان مشتری اور عدد سعد میں حور بانو نام کا انتخاب کیا گیا۔ مگر نام کی خوبصورتی اور شباہت کی بدہیئتی کے فرق نے بچپن سے اب تک جتنے زخم دئے ان کیلئے حور بانو کے پاس کوئی مرہم نہیں تھی۔ اسے یاد ہے وہ دن، اس دن کو وہ بھول نہیں سکتی۔ اسکول میں کلچرل پروگرام کی تیاری چل رہی تھی۔ ڈرامہ کے کردار بانٹے جا رہے تھے وہ بھی کوئی اچھا سا کردار انبھانا چاہ رہی تھی لیکن ٹیچر نے حور بانوں کو چڑیل کا کردار دیا اور ہنستے ہوئے سب کے سامنے کہا تھا کہ اس رول میں اسے میک اَپ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ پورا ہال ٹیچر کے باتوں پر قہقہوں سے گونج اُٹھا تھا۔

وہ قہقہے آج بھی اس کی یادوں میں گونجتے ہیں اس کا دل اس کتاب سے پوچھتا ہے جس میں لکھا ہے اللہ رسول اور والدین کے بعد ٹیچر کا رُتبہ بلند ہوتا ہے۔ اس کا سہما ہوا دل غم کی بوچھاڑ سے نڈھال ہو کر عزت نفس کی مٹھی بھر نعمت کو ترستا رہا۔ خیالات کی موجوں سے ایک سوال پہلی بن کر اُبھرتا ہے کہ اللہ جمیل ہے اور جمال پسند کرتا ہے تو مجھے کیوں پیدا کیا؟ وہ تو جانتا ہوگا کہ خوبصورتی کی دنیا میں بدصورتوں کی کیا درگت بنے گی؟ کیا خوبصورتی کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے بدصورتوں کو پیدا کرتا ہے؟ تا کہ ایک کو عزت ملتی رہے اور دوسرے کو ذلت۔ نہیں نہیں اللہ تو صرف انصاف کرنے والا ہے۔ ضرور اس میں کوئی راز ہوگا جسے میں سمجھ نہیں پا رہی مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔ میں ایسا نہیں سوچ سکتی۔ مجھے تو لوگوں نے آنسوؤں میں ڈبویا ہے۔ اللہ نے نہیں۔ اللہ نے دیکھنے کے لئے آنکھیں دی ہیں۔ بولنے کے لئے زبان اور سوچنے کے لئے دماغ دیا ہے۔ میں چل پھر سکتی ہوں اور ہاتھوں سے کام کر سکتی ہوں۔ اگر وہ آنکھوں میں روشنی نہ دیتا تو دنیا کی خوبصورتی میں دیکھ نہ پاتی۔ اگر اپاہج یا گونگی بنا دیتا تو سب کے لئے بوجھ بن جاتی۔ اگر اس چپٹی ناک میں سونگھنے کی قوت نہ ملتی تو خوشبو اور اُچھوتے احساس سے واقف نہ ہوتی۔ اور اگر اس کالے سراپے میں روشن خیالات کا ذخیرہ نہ ہوتا تو شیطانی گروہ میں شامل ہو چکی ہوتی۔ اندھیرا اجالے کے تانے بانے میں اُلجھتے سلجھتے حور بانو رات بھر کروٹیں بدلتی ہے اور پھر صبح اپنوں کے درمیان ان چاہے اور وجود کا بوجھ ڈھونڈتی ہے اور شام کو ماموں کے گھر عورتوں کی محفل میلاد النبی ﷺ میں شامل ہوتی ہے تا کہ قلبی سکون مل سکے۔ واعظ کے جملے حور بانو کی سماعت سے ٹکراتے ہیں۔ نیک عورتیں جنت میں 18 سال کی دوشیزائیں بن جائیں گی اور حور غلمان کی خدمت کریں گے ان کی ساری مرادیں جنت میں پوری ہونگی۔ تقریر سن کر حور بانو پر سحر طاری ہو جاتا ہے اور اسے نظر آتا ہے جنت کا عالی شان محل جہاں وہ لطف و انبساط میں ڈوبی ہوئی ہے۔ حور غلمان حور بانو کے حُسن کے قصیدے پڑھ رہے ہیں۔ واعظ کی مناجات اور حاضرین کی آمین آمین کی تکرار سے حور بانو کے خیالوں سے واپس آتی ہے دیکھتی ہے کہ سیاہ فام واعظ کو عورتیں سہارا دے کر اسٹیج سے اتار رہی ہیں اور چھڑی کے سہارے ان کے قدم دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہے ہیں۔ حور بانو کی نگاہیں واعظ پر ٹھہر جاتی ہیں ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم چھا جاتا ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ تریاق اکتوبر ۲۰۱۶)

جاوید اقبال

لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ علامہ اقبال نے پاکستان کا خواب دیکھا تھا۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کس تاریخ کو سوتے ہوئے دیکھا تھا مجھے تو علم نہیں آپ کو علم ہو تو مجھے ضرور بتایئے گا مجھے تو اُن کے 19 اکتوبر 1931ء کو روزنامہ ٹائمز کو لکھے گئے خط کا علم ہے جس میں علامہ اقبال نے ہندوستان کی تقسیم کی مخالفت کی تھی۔

-

مذہبی انتہا پسندی کی بنیادیں

قیوم نظامی

خالد بن سعید ممتاز سکالر اور مورخ تھے انکی کتاب Pakistan Formative Phase 1960 کو تحریک پاکستان کی اساسی کتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جنوبی ایشیا میں مذہبی انتہا پسندی کی بنیادیں خلافت موومنٹ میں تلاش کی جاسکتی ہیں۔ اس تحریک کے دوران ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کیا گیا۔ مسلمان رہنماؤں نے جذبہ جہاد کو اُبھارا۔ 1919ء میں پہلی جنگ عظیم کے دوران ترکی کو برطانوی اتحاد سے شکست کا سامنا کرنا پڑا اور سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے ہونے لگے۔ مسلمانوں کو خلافت عثمانیہ کا مستقبل متزلزل نظر آنے لگا۔ برصغیر کے مسلمان (بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش) مذہبی جذبات کی شدت کے حوالے سے دنیا کے مسلمانوں سے بہت آگے ہیں۔ دنیا کے کسی کونے میں اسلام یا مسلمانوں کو خطرہ ہو تو یہ بے قرار اور بے چین ہو جاتے ہیں۔ بھارت کے علماء اپنی مساجد اور مدارس سے نکل کر جوق در جوق تحریک خلافت میں شریک ہونے لگے۔ تحریک نے زور پکڑا تو مہاتما گاندھی نے اسکی قیادت سنبھال لی۔ گاندھی سیاسی مقاصد کیلئے مذہب کا استعمال جائز سمجھتے تھے۔ انڈیا نیشنل کانفرنس اور تحریک خلافت کے لیڈر متحد ہو گئے۔ قائداعظم وژنری لیڈر تھے انکی نظر نصب العین پر تھی اور مذہب کو سیاست سے علیحدہ رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ کو تحریک خلافت سے الگ رکھا اور گاندھی کے نام خط لکھا کہ تحریک خلافت سے مذہبی جذبات اس حد تک مشتعل ہو جائینگے کہ پھر انہیں کنٹرول کرنا ممکن نہیں ہوگا اور برصغیر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان اُٹھانا پڑیگا۔ گاندھی نے قائداعظم کی رائے سے اتفاق نہ کیا اور تحریک خلافت کو برطانوی سامراج کیخلاف تحریک کی تشکیل کیلئے استعمال کیا۔ مسلم لیگ کے سینئر رہنما ڈاکٹر انصاری تحریک خلافت کے نتائج کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ انہوں نے تحریک کی عوامی مقبولیت سے متاثر ہو کر دہلی میں خصوصی کنونشن طلب کر لیا جس میں علماء کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ قائداعظم کے گروپ نے تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون میں شمولیت کی مخالفت کی۔ نہرو نے بعد میں لکھا کہ قائداعظم نے تحریک خلافت سے پیدا ہونیوالی شورش اور افراتفری کو بھانپ لیا تھا۔ قائداعظم کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ اپریل 1919ء میں ہندو مسلمان اور سکھوں کے مشتعل ہجوم نے دو انگریزوں کو قتل کر دیا جسکے نتیجے میں انگریز حکومت نے بے دریغ دہشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جلیانوالہ باغ امرتسر میں 350 ہندوستانیوں کا قتل عام کر دیا۔ اس سانحہ نے وقتی طور پر ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد کر دیا مگر قائداعظم اپنے موقف پر قائم رہے کہ اس تحریک کے نتیجے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان شدید نوعیت کے اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔

ہندوستان کی قدامت پسند مذہبی جماعت جمعیت العلمائے ہند نے فتویٰ جاری کیا اور گاندھی کی تحریک خلافت میں شرکت کو پان اسلام ازم کیلئے نیک فال قرار دیا۔ اس تحریک کے سرگرم علمبرداروں مولانا آزاد اور مولانا محمد علی جوہر نے پرجوش خطابات اور تحریروں میں مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اسلام کیلئے سکولوں، کالجوں اور ملازمتوں کا بائیکاٹ کریں۔ قائداعظم نے سوال اُٹھایا کہ سکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ کرنیوالے طلبہ کہاں جائینگے انکے پاس متبادل کیا ہوگا۔ خلافت کمیٹی کے ممتاز ارکان مولانا آزاد اور مولانا عبدالباری نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیا اور مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ افغانستان ہجرت کر جائیں جس کا بادشاہ مسلمان تھا۔ ایک اندازے کیمطابق اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے مذہبی جذبات سے مغلوب ہو کر افغانستان کی جانب ہجرت کی جو معاشی طور پر کمزور ملک تھا اور بڑی تعداد میں مسلمانوں کی کفالت نہیں کر سکتا تھا۔ مہاجر مسلمانوں کو انتہائی نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ سندھ اور سرحد کے مسلمانوں نے اپنی اشیاء فروخت کر کے ہجرت کی سینکڑوں راستے میں لٹ گئے۔ ہزاروں کو افغان حکومت نے واپس کر دیا جب وہ ہندوستان واپس پہنچے تو وہ بے گھر اور بے روزگار ہو چکے تھے اور ہجرت پر مائل کرنیوالے انکی مدد کو نہ آئے۔ مذہبی انتہا

پسندی نے مسلمانوں میں اشتعال پیدا کیا۔ مالا بار کے کسان ہندو زمینداروں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ضلع گورکھا پور میں فسادات بھڑک اُٹھے اور مسلمان دوبارہ کبھی نہ سنبھل پائے۔

1922ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشتعل ہجوم نے 22 پولیس کے جوانوں (ہندوستانی) کو ہلاک کر دیا۔ اس سانحہ کے بعد گاندھی نے انڈین نیشنل کانفرنس (آئی این سی) کو تحریک خلافت سے علیحدہ کرلیا۔ ترکی کے کرشماتی لیڈر اتاترک نے یورپی افواج کو شکست دینے کے بعد خلافت عثمانیہ کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ ہندوستان کے سیاسی و مذہبی رہنماؤں کو خفت اور ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔ قائداعظم کا وژن درست ثابت ہوا۔ تحریک خلافت سے مذہبی انتہا پسندی پیدا ہوئی۔ انڈین نیشنل کانفرنس کو سخت دھچکا لگا مسلم لیگ تقسیم اور کمزور ہوگئی۔ ہزاروں مسلمان بے روزگار ہوئے اور تعلیمی اداروں سے باہر ہوگئے۔ تحریک خلافت کے بعد شدت پسند تنظیمیں مجلس احرار اسلام اور ہندو شدھی موومنٹ نمودار ہوئیں۔ ہندو تنظیم کا واحد مقصد مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندو بنانا تھا۔ ہندو مہاسبھا کو تقویت ملی۔ خاکسار تحریک قائم ہوئی۔ علامہ اقبال نے اکبر نجیب آبادی کے نام ایک خط میں تحریر کیا۔ ''سرسید کی تحریک سے پیشہ ور مولویوں کا اثر کم ہوگیا تھا۔ خلافت کمیٹی نے سیاسی فتوؤں کی خاطر مولویوں کا اثر و رسوخ ایک بار پھر بڑھا دیا یہ بہت بڑی غلطی تھی''۔ جنوبی ایشیا میں مذہب کے نام پر تحریکوں نے جنم لیا۔ 1977ء میں پی این اے کی تحریک بنیادی طور پر سیاسی تحریک تھی جس کا مقصد بھٹو حکومت کا خاتمہ تھا۔ اس تحریک میں جان ڈالنے کیلئے ''نظام مصطفیٰ'' کا سلوگن استعمال کر کے مذہبی انتہا پسندی اور شدت پسندی کا سہارا لیا گیا۔ مسجد اور مدرسے کے علماء اور ان کے پیروکاروں نے اس تحریک میں جوش و جذبے سے شرکت کی۔ مگر پی این اے کی تحریک کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک آمر جرنیل ضیاء الحق اقتدار پر قابض ہوگیا جس نے اقتدار کی خاطر مذہب کے نام پر انتہا پسندی اور جہادی کلچر کو فروغ دیا جس کا خمیازہ پاکستان اور عوام آج تک بھگت رہے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب جب اسلام کو سیاسی مقاصد اور عزائم کیلئے استعمال کیا گیا اس کا نتیجہ مذہبی انتہا پسندی اور شدت پسندی کی صورت میں نکلا۔ عالمی شہرت یافتہ مورخ آئن ٹالبوٹ نے انتہا پسندی کو عدم برداشت، جہالت، غربت، غیر مساوی ترقی، فرقہ واریت اور نا انصافی کے ساتھ جوڑا ہے۔ سلمان عابد پاکستان کے منفرد مبصر اور غیر جانبدار تجزیہ نگار ہیں ان کا کوئی مخصوص فکری اور سیاسی ایجنڈا نہیں ہے اس لیے وہ قومی مسائل کا تجزیہ معروضی حالات کے مطابق عقل اور دلیل کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انکی تحریروں اور تقریروں کو توجہ اور دلچسپی سے پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ حال ہی میں انکی پانچویں کتاب ''دہشتگردی ایک فکری مطالعہ'' کتب خانوں کی زینت بنی ہے۔ دہشتگردی پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ بن چکی ہے۔ پاک فوج آپریشن ضرب عضب کے ذریعے اسے ختم کرنے میں مصروف ہے مگر فکری سطح پر انتہا پسندی اور دہشتگردی کا مقابلہ کرنے کا عزم بہت کمزور نظر آتا ہے۔ سلمان عابد درست کہتے ہیں کہ دہشتگردی کو جڑ سے ختم کرنے کیلئے لازم ہے کہ نظریاتی اور فکری محاذ پر انتہاء پسندی کا مقابلہ کیا جائے تاکہ دہشتگردی کا دراز ہوتا ہوا سلسلہ مستقل بنیادوں پر تھم سکے۔ سلمان عابد نے اپنی کتاب میں دہشتگردی کو ہر زاویے سے جانچنے اور پرکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس ناسور کے خاتمے کیلئے پارلیمنٹ، سیاسی و مذہبی جماعتوں، میڈیا، حکومت، افواج پاکستان، پولیس، خفیہ ایجنسیوں، کرپشن اور عدلیہ کے کردار کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تعصب، سیاسی وابستگی اور ذاتی مفاد سے بلند ہوکر قومی جذبے کیساتھ لکھی گئی ہے۔ جمہوری پبلی کیشنز نے اسے خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔ کراچی میں عزیز آباد سے اسلحہ کے ذخیرے کی برآمدگی انتہائی تشویش کا سبب ہے۔ رپورٹ کے مطابق یہ اسلحہ نیٹو افواج کا تھا جو چوری کیا گیا۔ گمان کیا جارہا ہے کہ کراچی میں دیگر مقامات پر بھی نیٹو اسلحہ چھپایا گیا ہے۔ سپریم کورٹ میں سرکاری طور پر نیٹو کے 19 ہزار اسلحہ کنٹینرز غائب ہونے کی رپورٹ پیش کی گئی تھی۔ پاکستان کے سپوت وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی ذاتی دلچسپی لیکر سازش میں ملوث دہشتگردوں کو بے نقاب کر کے عبرتناک مثال بنائیں تاکہ آئندہ کوئی فرد یا گروہ اسلحہ ذخیرہ کر کے ریاستی رٹ کو چیلنج کرنے کی سازش نہ کر سکے۔

(بشکریہ ڈیلی یوکے ٹائمز لندن ۱۰۔اکتوبر ۲۰۱۶)

بے غرض محبت

فضل عمر ڈوگر

ایک غریب کسان کی شادی نہایت حسین وجمیل عورت سے ہوگئی۔اُس عورت کے حُسن کی سب سے بڑی وجہ لمبے گھنے سیاہ بال تھے،جن کی فکر صرف اُسے ہی نہیں بلکہ اُن دونوں کو رہتی تھی۔ایک دِن کسان کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ،''کل واپسی پر آتے ہوئے راستے میں دُکان سے ایک کنگھی تو لیتے آنا،کیونکہ بالوں کو لمبے اور گھنے رکھنے کیلئے اُنہیں بنانا سنوارنا بہت ضروری ہے۔اور پھر میں کتنے دِن ہمسائیوں سے کنگھی منگواتی رہونگی...؟''غریب کسان نے اپنی بیوی سے معذرت کر لی اور بولا،''بیگم! میری تو اپنی گھڑی کا سٹریپ کافی دِنوں سے ٹوٹا ہوا ہے،میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ اُسے ٹھیک کرواسکوں،تو میں بھلا کنگھی کیسے لاسکتا ہوں۔تم کچھ دِن مزید ہمسائیوں کی کنگھی سے گزارا کرو،جب پیسے ہونگے تو لے آونگا...!'' بیوی اپنے شوہر کی مجبوری کو سمجھ رہی تھی اِس لیے زیادہ تکرار نہیں کیا۔کسان نے اُس وقت تو بیوی کو چپ کروادیا،لیکن پھر اندر ہی اندر اپنے آپ کو کوسنے لگا کہ،میں بھی کتنا بدبخت ہوں کہ اپنی بیگم کی ایک چھوٹی سی خواہش بھی پوری نہیں کرسکتا۔دوسرے دِن کھیتوں سے واپسی پر کسان ایک گھڑیوں کی دُکان پر گیا اور اپنی ٹوٹی ہوئی گھڑی اونے پونے داموں بیچی اور اُس سے ملنے والے پیسوں سے ایک اچھی سی کنگھی خریدی اور بڑی راز داری سے چھپا کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔اُس نے سوچا گھر جا کر بیوی کو سرپرائز دونگا تو وہ بہت خوش ہوگی۔جب وہ گھر گیا تو کیا دیکھا اُسکی بیوی نے اپنے لمبے بال کٹوا دیئے تھے۔اور مسکراتے ہوئے اُسکی طرف دیکھ رہی تھی۔کسان نے حیرت سے پوچھا،''بیگم! یہ کیا کیا تم نے اپنے بال کیوں کٹوادیئے،پتہ ہے وہ تمہارے اُوپر کتنے خوبصورت لگتے تھے...؟''بیگم بولی،''میرے سرتاج! کل جب آپ نے کہا کہ آپکے پاس گھڑی ٹھیک کروانے کے پیسے بھی نہیں ہیں تو میں بہت افسردہ ہوگئی۔چنانچہ آج میں قریب کے بیوٹی پارلر پر گئی تھی،وہاں اپنے بال بیچ کر آپکے لیے یہ ایک گھڑی لائی ہوں...!''جب کسان نے اُسے کنگھی دیکھائی تو فرطِ جذبات میں دونوں کی آنکھیں نم ہوگئیں محبت صرف کچھ دینے اور لینے کو ہی نہیں کہتے،بلکہ محبت ایک قربانی اور ایثار کا نام ہے جس میں اکثر اپنی خواہشات اور جذبات کو صرف اِس لیے قربان کردیا جاتا ہے تاکہ رشتوں کا تقدس اور احترام برقرار رہے۔

آج کے پارلیمنٹیرین

عبدالوحید خان

آپ کو بھی معلوم ہو کہ،آج کے پارلیمنٹیرین آئین اور جمہوریت کے حق میں کیوں بولتے ہیں،اور جن کے ووٹوں سے یہ منتخب ہوتے ہیں،ان کیلئے یہ کیا کرتے ہیں؟۔ملاحظہ کیجئے۔

* ۔ماہانہ تنخواہ:120000 مبلغ ایک لاکھ بیس ہزار سے 200000 مبلغ دو لاکھ روپے تک۔
* ۔آئین سازی کیلئے ملنے والا ماہانہ خرچ:100000 مبلغ ایک لاکھ روپے۔
* ۔دفتر کے ماہانہ اخراجات:140000 مبلغ ایک لاکھ چالیس ہزار روپے۔
* ۔سفری رعایت:(8 روپے فی کلومیٹر):اسلام آباد ایک بار جانے وار واپس آنے کے اخراجات 48000 مبلغ اڑتالیس ہزار روپے۔
* ۔اسمبلی کے اجلاسوں کے۔دوران روزانہ ریفریشمنٹ کے اخراجات:500 پانچ سو روپے۔
* ۔ٹرین میں درجہ اول کے ٹکٹ مکمل طور پر مفت۔جب چاہیں اور جتنی بار چاہیں اور جہاں چاہیں کی بنیاد پر۔
* ۔جہازوں میں بزنس کلاس کے اخراجات:بیوی یا پی اے کے ساتھ سال میں 40 بار مفت سفر کی اجازت۔
* ۔گھر پر بجلی کے اخراجات:50000 یونٹ۔پچاس ہزار یونٹ مفت۔
* ۔لوکل فون کال چارجز:170000 ایک لاکھ ستر ہزار کالز مفت۔
* ۔ایک ایم این اے کا کل سالانہ سرکاری خرچ :32000000 مبلغ تین کروڑ بیس۔لاکھ روپے سالانہ۔
* ۔5 سال کے کل اخراجات:160000000 مبلغ سولہ کروڑ روپے۔
* ۔534 ایم این ایز کے 5 برس کے اخراجات:85440000000 مبلغ پچاسی ارب چوالیس کروڑ روپے ہے۔یاد رہے کہ یہ تمام لوگ پاکستانی عوام کی جانب سے منتخب کئے جاتے ہیں اور اس دنیا میں رائج جمہوری طریقہ کار کے ذریعے منتخب کئے جاتے ہیں۔خود بخود اسمبلیوں میں نہیں گھس جاتے نہ ہی ان کے پاس کوئی ایسی خاص کوالفکیشن ہوتی ہے جو ان کے اسمبلی میں جانے کا سبب کہلا سکے۔پیسے کا یہی وہ غیر ضروری اور بے حساب بہاؤ ہے،جو ہمارے ٹیکسوں سے جمع ہونے والی رقوم کو نگل لیتا ہے اور اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں ہوشربا اضافے کا سبب بنتا ہے۔

برازیل میں دنیا کا سب سے اُونچا قبرستان

فراز حمید خان

ساؤ پالو، برازیل: دنیا میں اراضی کی تنگی کی وجہ سے ہر سال لاکھوں افراد کی تدفین کے لیے جگہ کم پڑتی جارہی ہے اور اس کے حل کے لیے برازیل میں دنیا کی سب سے اونچی قبرستان بلڈنگ بنائی گئی ہے جہاں 25 ہزار افراد کو رکھنے یا دفنانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ برازیل کے شہر سانتوس میں میموریل نیکروپول ایکومینیکا کی عمارت 1983 میں تعمیر کی گئی تھی لیکن اس وقت یہ عمارت بہت چھوٹی تھی۔

آج یہ 108 میٹر بلند عمارت میں تبدیل ہوچکی ہے جہاں کئی کمرے، ایک باغ، چھوٹا آبشار، ایک چرچ اور ریستوران بھی ہے۔ برازیل میں ایک سو آٹھ فٹ بلند جدید سہولتوں سے آراستہ دنیا کا انوکھا قبرستان تعمیر کیا گیا ہے، اسے دنیا کا بلند ترین قبرستان ہونے کے اعزاز کے ساتھ اس کا نام گنیز بکس آف ورلڈ ریکارڈز میں شامل کرلیا گیا ہے۔ غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق برازیل کے ساحلی شہر سانتوس میں واقع 32 منزلہ قبرستان، ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے مردوں کے لیے جگہ کشادہ کئے ہوئے ہے۔ اسے دنیا کا بلند ترین قبرستان ہونے کے اعزاز کے ساتھ اس کا نام گنیز بکس آف ورلڈ ریکارڈز میں شامل کرلیا گیا ہے۔۔ عمارت میں پچیس ہزار مردوں کو رکھنے کی گنجائش موجود ہے۔

قبرستان کو چار اہم مذاہب کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا ہے۔ خصوصاً مسلمانوں اور عیسائیوں کے مردوں کی تدفین کے لیے خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے لیے شمشان گھاٹ تعمیر کیا گیا ہے جہاں انہیں اپنے پیاروں کی استھیاں بہانے کے لیے دریا کی بھی سہولت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں باغ بھی موجود ہیں جہاں مور ناچتے ہیں اور بہتے پانی کے آبشار بھی ہیں۔ عمارت کی چھت پر ہوٹل بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سیّاحوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ مقامی سیاحتی بورڈ کے اعداد و شمار کے مطابق اس کو سانتوس کی سب سے زیادہ دورہ کیے جانے والی جگہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ حسین مناظر اور اعلیٰ انتظامات کے ساتھ مردوں کے لیے یہ قبرستان جتنا نایاب ہے اتنا ہی مہنگا بھی۔ بالائی منزلوں پر بنائے گئے مزارات دوسروں کے مقابلے میں

زیادہ مہنگے ہیں۔ اس کی ہر منزل پر کئی بلاک ہیں جس میں تقریباً ڈیڑھ سو قبریں ہیں۔ ہر بلاک کو خوب ہوادار بنایا گیا ہے۔ چونکہ کسی بھی مدفن کے جسم کو گلنے میں تین سال لگتے ہیں لہذا یہاں ہر مردے کو تین سال رکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد انہیں عمارت کے کسی دوسرے حصے میں منتقل کردیا جاتا ہے۔ اس وقت یہاں موجود چند قبریں بھی ہیں اور سیاح انہیں دیکھنے کے لیے آتے ہیں جسے دنیا کی سب سے اونچی قبرستان بلڈنگ کہا جاسکتا ہے۔ اس عمارت میں قبر خریدنا بہت مہنگا عمل ہے جب کہ قبر کی جگہ جتنی اونچی منزل پر ہوگی وہ اتنی ہی مہنگی فروخت ہورہی ہے۔

۳۲ منزلہ اس عمارت کی ہر منزل پر کئی بلاکس ہیں اور ہر بلاک میں 150 مقبرے ہیں اور ہر مقبرے میں 6 قبریں بنائی جاسکتی ہیں۔ ان قبروں کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے ہوا کے گزرنے کا راستہ بنایا گیا ہے تاکہ قبرستان ٹھنڈا رہے۔ یہاں کی انتظامیہ کے مطابق ایک لاش کو ختم ہونے میں 3 سال لگتے ہیں اور اس کے بعد اہلِ خانہ اپنے عزیزوں کی باقیات کو ضائع کرنے یا دوسری جگہ منتقل کرنے کی سہولیات بھی موجود ہیں۔ قبر کا 3 سال کا کرایہ 6 سے 21 لاکھ پاکستانی روپوں کے مساوی ہے جب کہ اگر کوئی خاندان دفن ہونے کے لیے جگہ چاہتا ہے تو اس کا معاوضہ 50 لاکھ روپے تک ہے۔ گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ کے مطابق یہ دنیا کا بلند ترین قبرستان ہے جب کہ اسرائیل میں بھی جگہ کی کمی کی وجہ سے عمارتوں میں قبرستان قائم کئے جارہے ہیں۔ (روزنامہ آج 3 ستمبر 2016ء)

ایک دانا کی انٹرنیٹ سے متعلق اپنے بیٹے کو نصیحت

رجل خوشاب

پیارے بیٹے! گوگل، فیس بک، ٹویٹر، واٹس ایپ اور باہمی رابطوں کے دیگر تمام ذرائع درحقیقت ایک گہرا سمندر ہیں جس میں لوگ اپنے اخلاق کو کھو رہے ہیں اور دماغی صلاحیتیں کھپا رہے ہیں۔ ان میں بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی۔ اس سمندر کی بے رحم موجیں نہ صرف ایک خلقِ کثیر کو ہلاک کر چکی ہیں بلکہ ہماری عورتوں کی حیا بھی نگل چکی ہیں۔ اس میں انہماک سے بچو۔ اس میں انہماک سے بچو۔ اس میں انہماک سے بچو۔ انٹرنیٹ پر تمہارا رویہ شہد کی مکھی کی طرح ہونا چاہیئے، صرف عمدہ باتوں پر توجہ مرکوز کرو، خود بھی استفادہ کرو اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاؤ۔ عام مکھی کی طرح ہر گندی اور صاف چیز پر مت بیٹھو، مبادا دوسروں تک بیماری کے جراثیم منتقل کرنے لگو اور تمہیں اس کا احساس ہی نہ ہو۔

پیارے بیٹے! انٹرنیٹ ایک بڑی مارکیٹ ہے، یہاں کوئی بھی اپنی چیز مفت لے کر نہیں بیٹھا، ہر شخص اپنا سودا کسی نہ کسی عوض پر دینے کا خواہشمند ہے۔ کوئی اپنی چیز کا سودا اخلاق کی قیمت پر کرنا چاہتا ہے تو کسی کو فکری انتشار کی تجارت پسند ہے۔ بعض کا مقصد شہرت اور حبِ جاہ ہے اور ایسے بھی ہیں جو اپنے تئیں خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اس لیئے خریداری سے پہلے سامان کی خوب چانچ پڑتال کرو۔

پیارے بیٹے! تعلقات قائم کرنے میں بھی احتیاط سے کام لو، بعض تعلقات شکاری کے جال کے مانند ہیں، بعض برائی کا سرچشمہ ہیں، کچھ بے حیائی اور فسق و فجور پر مبنی ہیں اور کچھ کا انجام تباہی اور بربادی ہے۔

پیارے بیٹے! نشر و اشاعت میں بھی محتاط رہو، جن باتوں سے شریعت نے منع کیا ہے انہیں کاپی پیسٹ کرنے سے گریز کرو۔ یہ نیکیوں اور گناہوں کی تجارت ہے۔ تم کیا سودا بیچ رہے ہو اس پر تمہاری گہری نظر رہنی چاہیئے۔

پیارے بیٹے! کسی تحریر پر کمنٹ یا اسے شیئر کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح بار بار سوچ لیا کرو کہ یہ اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے یا ناراضی کا۔ پیارے برخوردار! ایسے شخص کی دوستی پر بھروسہ مت کرو جسے تم نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو، لوگوں کی تحریروں سے انہیں سمجھنے کی کوشش مت کرو۔

یہ دوست کے بھیس میں اجنبی ہیں، ان کی تصویروں میں ڈبنگ (جعلسازی) ہے، ان کا اخلاق و کردار مخفی ہے، ان کی گفتگو میں ملمع سازی ہے، ان کے چہروں پر ماسک (خول) ہیں، یہ جھوٹ بھی ایسے بولتے ہیں کہ سچائی کا گمان ہوتا ہے۔ بہت سے عقلمند دکھائی دینے والے درحقیقت بڑی حماقت میں مبتلا ہیں۔ کتنے خوبصورت ایسے ہیں جو حقیقت میں بد صورت ترین ہیں۔

بہت سے سخی نظر آنے والے ایسے ہیں جن کا شمار کنجوس ترین لوگوں میں ہوتا ہے۔ بے شمار ایسے ہیں جو شجاعت کے وصف سے شہرت رکھتے ہیں مگر پرلے درجے کے بزدل ہیں۔ سوائے ان کے جن پر اللہ کریم کی رحمت ہو۔ برخوردار! تمہارا شمار بھی اُنہی میں ہونا چاہیئے۔ پیارے بیٹے! فرضی نام (فیک آئی ڈیز) رکھنے والوں سے بھی دور رہو۔ ایسے لوگ اعتماد سے عاری ہوتے ہیں، سو اس شخص پر کیونکر اعتماد کیا جائے جسے خود پر ہی اعتماد نہ ہو اور تم بھی فرضی نام اختیار مت کرنا، کیونکہ اللہ ہمارے لمحہ لمحہ کے ہر راز سے واقف ہے۔ میرے عزیز بیٹے! جو تیرے ساتھ نامناسب رویہ اختیار کرے اس کے ساتھ ویسا ہی رویہ اختیار مت کرنا، تمہارا رویہ تمہاری اپنی شخصیت کا ہے اور اس کا کردار اپنی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ سو تم اپنے اخلاق کی نمائندگی کرو اس کے اخلاق کی نہیں۔ ظاہر ہے برتن سے وہی کچھ چھلکے گا جو اس کے اندر ہے۔

پیارے بیٹے! کوئی چیز لکھنے سے پہلے ہزار بار سوچو، تم جب لکھتے ہو تو تمہارے فرشتے بھی لکھ رہے ہوتے ہیں، اور اس سارے عمل کی نگرانی

براہِ راست اللہ تعالیٰ کرتے ہیں۔

پیارے بیٹے! انٹرنیٹ کے بحرِ ظلمات میں جس چیز کا مجھے سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ نظر کا غلط استعمال ہے یعنی ایسی تصویریں اور ویڈیو کلپس دیکھنا جن میں فسق و فجور اور اللہ کی نافرمانی ہو۔ اگر تو اپنے نفس کو ان محرمات سے دُور رکھ سکے تو انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا سے بھرپور استفادہ کرنا اور اس سے دین کی نشر و اشاعت کا کام لینا، لیکن اللہ نہ کرے اللہ محفوظ رکھے اگر تمہارا نفس ان محرمات کے شکنجے میں پھنسا ہوا ہے تو انٹرنیٹ کی دنیا سے ایسے دور بھاگنا جیسے انسان وحشی درندے سے بھاگتا ہے ورنہ روزِ محشر تیرا سامنا اللہ سے ہوگا اور دوزخ تیرا ٹھکانہ بنے گی۔ پیارے بیٹے! انٹرنیٹ غفلت اور شہوت کا ایک بڑا باعث ہے اور انہی دو چیزوں کے ذریعے شیطان نفس پر حاوی ہوتا ہے۔ دھیان رہے کہ انٹرنیٹ تمہارے فائدے کے لیئے ہے اس سے فائدہ اُٹھاؤ، یہ غفلت کے لیئے نہیں کہ اسی کے ہو کر رہ جاؤ، اس سے تعمیرِ شخصیت کا کام لو تخریب کا نہیں، نیز قیامت کے دن اسے اپنے حق میں گواہ بناؤ نہ کہ اپنے خلاف۔

1931ء میں قائد اعظم محمد علی جناح کانگریس میں شامل ہندو ذہنیت رکھنے والے علماء کے رویہ سے مایوس ہو کر ہمیشہ کے لئے انگلستان چلے گئے ایسے وقت میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ نے اس معاملہ کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے لندن مشن کے امام مولانا عبدالرحیم درد صاحب کے ذریعہ قائد اعظم کو واپس ہندوستان آ کر مسلمانوں کی سیاسی قیادت سنبھالنے کی تحریک فرمائی۔

یہ کوشش کامیاب ہوئی اس کا اعلان قائد اعظم نے جماعت احمدیہ کے مرکز بیت الفضل لندن میں خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں فرمایا۔ ''امام (بیت الفضل لندن) کے وسیع و بلیغ ترغیب نے میرے لئے کوئی راہ بچنے کی نہ چھوڑی۔ (Madras Masil 7th April 1933) اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے پاکستان کے ممتاز صحافی جناب م ش (محمد شفیع) صاحب لکھتے ہیں کہ ''یہ مسٹر لیاقت علی خان اور مولانا عبد الرحیم درد ہی تھے جنہوں نے مسٹر محمد علی جناح پر زور دیا کہ وہ اپنا ارادہ بدل لیں اور وطن واپس آ کر قومی سیاست میں اپنا کردار ادا کریں۔

(پاکستان ٹائمز 11 ستمبر 1981ء صفحہ 2 کالم 1)

آپ کے خطوط

لندن سے محترم ڈاکٹر سرافتخار احمد ایاز صاحب رقم طراز ہیں:

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت والی لمبی عمر سے نوازے۔ آمین، ہم آپ کے علمی، ادبی فیض سے مستفید ہوتے رہیں۔ قندیل ادب کے تازہ اکتوبر کے شمارے میں آپ کی اُن عدیم المثال خدمات اور قربانیوں کا شدت سے احساس ہوا ہے جو آپ اُردو ادب کے فروغ کے لئے بجالا رہے ہیں۔ علم و ادب کی روشنی بکھیرنے کے ساتھ اعلیٰ اقدار اور اخلاقیات کی بھی سیرابی ہو رہی ہے۔ ان بیش بہا خدمات کا صلہ تو اللہ تعالیٰ ہی آپ کو دے گا۔ لیکن میری عاجزانہ دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اور رہیں گی۔ آپ کی ان کٹھن کاوشوں کے سفر کے لئے (ایک صد) پونڈ ادنیٰ ترین زادِ راہ پیش ہے۔ مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ عاجز و احقر۔ (افتخار ایاز)

محترم خالد شیخ صاحب لاس اینجلس کیلیفورنیا سے لکھتے ہیں۔

میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ ہر ماہ آپ بڑی مہربانی سے قندیل ادب ای میل کرتے ہیں۔ یہ میگزین اسقدر دلچسپ اور معلوماتی مواد پر مشتمل ہوتا ہے کہ شروع کروں تو ختم کر کے ہی دم لیتا ہوں۔ میں آپ کے انتخابِ مضامین، شعر و سخن، نئے اور پرانے شعراء کا کلام، تاریخی معلومات، تعارف شخصیات، لطائف زندگی، تعارف کتب، مشاعروں کا ذکر جو بڑی سنجیدگی سے ہوتا ہے۔ اس سے بہت متاثر ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت والی فعال زندگی سے نوازے۔ آمین۔ آپ کا۔

(خالد شیخ لاس اینجلس کیلیفورنیا یو ایس اے)

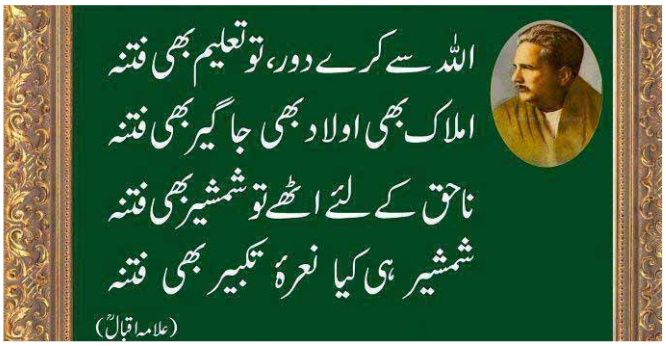

تعارف

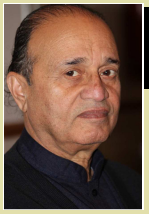

امجد مرزا امجد

''لندن ایکسپریس'' دلچسپ سفرنامہ کتاب کی رسم اجرا پر 10 اکتوبر 2016 کو پڑھا گیا۔

ارمان یوسف سے میری یادِ اللہ کئی برسوں سے ہے مگر بالمشافہ ملاقات کا اعزاز آج ہوا اس سے پہلے یا فون پر یا ای میل پر ہی بات چیت ہوتی رہی مگر جیسے انہیں جانتے پہچانتے ہوئے ایک صدی بیت گئی، کہ دونوں اطراف خلوص، محبت ،ادب پرستی اور بے غرض تعلق ہو تو ایک روحانی رشتہ استوار ہو جاتا ہے جو باقی سارے رشتوں سے قریبی ہوتا ہے۔

مجھے اعزاز ہے کہ انہوں نے اس ناچیز کا تعارفی مضمون اپنی اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں شامل کر کے مجھے عزت بخشی اور اپنی پرخلوص محبت کا ثبوت دیا۔انہوں نے جب مجھے اپنا سفرنامہ بھیجا جبکہ میں اس سے قبل ان کے کالم بھی پڑھ چکا تھا تو مجھے کوئی تعجب نہ ہوا کہ وہ اتنی خوبصورت تحریر رکھتے ہیں۔

آپ کا پورا نام حافظ محمد یوسف ہے جبکہ اپنے قلمی نام ارمان یوسف سے جانے جاتے ہیں۔ ماشاءاللہ حافظِ قرآن ہیں۔تحصیل علی پور کے ایک نواحی قصبے میں پیدا ہوئے اور حفظ قرآن کے بعد سکول کی تعلیم کا آغاز کیا۔ اور پھر چل سو چل۔ ہر جماعت میں اول آتے رہے سرگودھا یونیورسٹی سے ایم اے اردو کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے ایل ایل بی کیا۔اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ ادبی شوق بھی پورا کرتے رہے اور بزم سخن کے صدر رہے ۔لاہور سے جاری ہونے والے میگزین ''وائس آف سٹوڈنٹ'' کے پہلے مدیر اور پھر چیف ایڈیٹر کے عہدے پر فائض رہے اس کے علاوہ مظفر آباد میں بے شمار ادبی سرگرمیوں میں مصروف رہے اور ''ترین ادبی فاؤنڈیشن'' سے بڑے اعلیٰ مشاعروں میں ملک کے نامی گرامی شعرا کو مدعو کیا اور اپنے شہر میں نوجوان طبقے کو ادب کی جانب راغب کیا۔2006 میں ان کا پہلا شعری مجموعہ کلام ''اُسے بھلا دو'' کے نام سے شائع ہو کر ادبی حلقوں میں مقبول ہوا۔ارمان یوسف کی علم کی محبت نے اسے مزید مجبور کیا تو برطانیہ کا رختِ سفر باندھا اور یہاں مزید قانونی تعلیم حاصل کر رہے ہیں مگر ادبی زندگی میں بھی دن رات مصروف ہیں۔مقامی مشاعروں میں شرکت کے علاوہ انہوں نے نہایت خوبصورت اور خوشگوار انداز میں کھٹی میٹھی تحریروں سے ایک سفرنامہ بھی لکھا جو مظفر گڑھ سے لندن تک کے نہایت دلچسپ حالات و معلومات کا مجموعہ ہے۔میں نے کئی سفرنامے پڑھے مگر ارمان یوسف کے اس سفرنامے نے مجھے بہت متاثر کیا اور میں یہ کہے بغیر نہیں رہوں گا کہ ہمیں برطانیہ کے شہروں میں رہتے ہوئے آدھی صدی ہو گئی مگر لگتا ہے ساری عمر پونڈ ہی کماتے رہے جبکہ ارمان جہاں بھی گئے وہاں کی مکمل تاریخ کا مطالعہ کیا اور اپنی سیر کے ساتھ ساتھ اپنے قاری کو ایسی ایسی نادر معلومات مہیا کیں جو مدتوں سے وہاں کے باسیوں کی نظر سے اوجھل رہیں۔یہی نہیں انہوں نے اپنے ہاں کا موازنہ کرتے ہوئے بڑے مذاحیہ وفکائیہ انداز میں اس سفرنامہ کو مزید دلچسپ بنا دیا۔آپ کے قلم میں کہیں کہیں نشتر جیسی کاٹ بھی ہے مگر ساتھ ساتھ خوبصورت الفاظ کا ٹیکہ جسم کو سن کر کے کسی درد کا احساس تک نہیں ہونے دیتا۔لندن پہنچ کر جب وہ ٹیکسی میں بیٹھتے ہیں تو پہلا احساس ملاحظہ ہو۔''ہم نے محسوس کیا کہ ہر گاڑی رکتے یا چلتے ہوئے ایک مخصوص فاصلہ رکھتی اور دوسرا یہ کہ نہ ہارن کا شور نہ عطاءاللہ نیازی کے گانے۔ہمارا تو جی اکتا گیا۔ٹیکسی ڈرائیور سے گزارش کی کہ ایک بار ہارن کی مدھر آواز ہی سنا دے۔'' کہیں کسی حسینہ کے حسن کا شکار ہو کر سفرنامہ خوبصورت رومانی افسانے کا روپ دھار لیتا ہے تو کبھی مقامی شعرا، ادبا حکمرانوں اور مقامات کی مفصل تاریخ کی معلومات سے ہسٹری بک کا پیرہن اوڑھ لیتا ہے۔برمنگھم سے بریڈفورڈ، آکسفورڈ مانچسٹر اور لندن کی گلی گلی گھومتے ہوئے ارمان اپنے قاری کو اس طرح تحریر کی زنجیروں میں باندھے رکھتا ہے کہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی نظر کتاب سے نہیں ہٹتی۔ان کی خواہش تھی کہ ان کے اس انمول سفرنامے کی رسم تقریب ہماری تنظیم والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کے پلیٹ فورم

سے ہو،ئی ان کی محبت ہے اور ہمارے لئے بہت بڑا اعزاز کہ برمنگھم کے معروف قلمکار لندن آئے اور اپنی کتاب کی رسم اجرا یہاں سے کرائی۔ بہت بہت مبارک ہو۔

مجھے اس بات پر بھی دلی خوشی ہے کہ ہمارے قلمکار اب مختلف موضوعات پر قلمکاری کررہے ہیں،جیسے ہمارے والتھم سٹو کے جناب عبدالرؤف قاضی صاحب جنہوں نے دو کتابیں اسلامیات پر لکھی جبکہ تیسری کتاب جواردن اور فلسطین کی سیاحت پر لکھی اور اب ان کی چوتھی کتاب ٹرکی کی سیاحت پر آرہی ہے جس کے لئے وہ ان دنوں چھٹی بار ٹرکی گئے ہیں وہاں سے پاکستان جاکر کتاب کی اشاعت کا کام مکمل کریں گے۔اسی طرح ولورہمپٹن کے قاضی قدوس صاحب ہیں جن کی تین کتابیں مختلف یورپین ممالک کی سیاحت پر شائع ہوچکی ہیں۔مگر ارمان بھائی کا انداز تحریر ان دونوں صاحبان سے بہت مختلف ہے۔اس میں جہاں مختلف مقامات کا تاریخی حوالہ ملتا ہے وہاں ان کا ذکر اور رونما والے واقعات کو بڑے مزاحیہ وطنزیہ انداز میں بیان کرکے تحریر میں ایک ایسی چاشنی پیدا کی گئی ہے کہ آپ پڑھتے ہی جاتے ہیں۔آنکھیں الفاظ پر پھسلتی جاتی ہیں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچتی جاتی ہے کبھی کبھی تو قہقہہ بھی بلند ہوجاتا ہے۔

ایک افسانوی رنگ ہے جو دلچسپی کو قائم رکھتا ہے۔مظفر آباد سے چلتے ہوئے ایئرپورٹ تک وہاں سے آنکھوں دیکھا حال،رشوت لینے والے سیکورٹی آفیسرز کے قصے پھر اپنی باکمال لوگوں کی ہوائی سروس پی آئی اے کا سفر اور باکمال لوگوں کی کہانی۔۔پھر جب آگئے لندن تو وہاں کے دلچسپ قصے کہ میں خود سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ یہ سب تو میں نے بھی پچپن برس کی برطانوی زندگی میں بار بار دیکھا مگر ایسا کیوں نہیں لکھا ،انسان کی زندگی کا ایک ایک دن اسے نئے سے نیا تجربہ سکھاتا ہے مگر عام آدمی کبھی سیکھتا کبھی خوش کبھی اداس ہوتا ہوا بے خیالی میں گزر جاتا ہے مگر ارمان یوسف نے اپنے اس پہلے بیرونی سفر کو بڑی عقابی نظروں سے دیکھا اسے پرکھا اور پھر اپنا ایک ایک تجربہ لکھ ڈالا اور ایک تاریخ مرتب کر ڈالی۔یہی فرق ہے کہ ایک عام انسان میں اور ایک لکھاری میں ایک مورخ میں۔لکھاری اپنے چاروں جانب عقابی نظروں سے دیکھتا ہے اس کا مشاہدہ کسی بھی عام انسان سے کہیں زیادہ ہوتا ہے وہ اسے جانچتا ہے ناپ کر اپنی عقل کے ترازو میں وزن کرکے پھر اسے صفحہ قرطاس پر منتقل کردیتا ہے۔جیسا کہ فلیپ پر ڈاکٹر طاہر تونسوی صاحب نے لکھا کہ ''ارمان یوسف نے کھلی آنکھوں اور بھرپور مشاہدے سے کام لیتے ہوئے اجمال میں تفصیل بیان کی ہے اور قاری کی توجہ ایک نقطے پر مرکوز رکھنے کی یہ ایک کامیاب کاوش وکوشش ہے۔''اسی طرح کتاب کے آخری حصے کے اندرونی فلیپ پر قاسم خان صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ''لندن ایکسپریس'' میں آپ کو لندن کے شب و روز بھی نظر آئیں گے اور ٹھنڈے،دھیمے اور مدھم طنز ومزاح کے نشتر بھی محسوس ہوں گے۔''عام سفری واقعات میں مزاح کے پہلو کو قائم رکھنا نہایت کٹھن ہے اس کے لئے طویل عمیق مطالعہ کے ساتھ ساتھ طویل قلمی محنت بھی ناگزیر ہے۔ چونکہ ارمان بھائی کافی مدت سے کالم نگاری بھی کرتے رہے لہٰذا انہیں اس کا بھرپور تجربہ حاصل ہے کہ ایک عام سی بات کو کرنے میں کس طرح طنز و مزاح کے پیرہن کی ضرورت ہے اور کہاں کہاں ضرورت ہے تاکہ اصل موضوع بھی قائم رہے اور قاری کی دلچسپی بھی۔ورنہ کئی ایسی کتابیں پڑھنے میں آئی ہیں جو محض سیاحت اور جغرافیائی خشک مضامین کی ہوتی ہیں جس کے لئے قاری کو کڑوی دوا کی طرح مجبوراً گھونٹ گھونٹ پینا پڑتا ہے۔مگر یقین کیجئے ''لندن ایکسپریس'' ایک ایسی تیز رفتار ایکسپریس ہے کہ آپ ورق در ورق اتنی تیزی کے ساتھ ارمان یوسف کے ساتھ محو سفر ہوں گے کہ خبر تک نہ ہوگی اور کتاب کا آخری اسٹیشن آجائے گا۔میں چونکہ خود کمپوزر،ڈیزائنر اور پبلشر بھی ہوں لہٰذا کچھ باتیں کتاب کے بارے میں ٹیکنکی طور پر بھی کہنا فرض سمجھتا ہوں۔

ارمان بھائی کی اس کتاب کو ملتان کے غلام طاہر رانا پبلی کیشنز نے مارچ 2016 میں فیصل فدا پرنٹرز سے چھپوا کر ایک ہزار کی تعداد میں شائع کیا۔کمپوزنگ کی غلطیوں سے پاک ہے جس کی وجہ ارمان یوسف خود بھی کمپوزر ہیں اور شاید انہوں نے خود اسے کمپوز کیا جبکہ کمپوزر کا نام درج نہیں جو اکثر کتاب میں شامل ہوتا ہے۔کاغذ سفید نہیں ہلکے رنگ کا شاید اسی گرام سے کچھ کم ہے۔ابتدائی صفحات میں پہلا تعارفی مضمون خاکسار کا ہے جس کے لئے میں ارمان بھائی کا شکرگزار ہوں اس کے بعد ''سفر ہے

شرط'' کے عنوان سے انچارج ادبی ایڈیشن روزنامہ ''خبریں'' ملتان کے سابق کنٹرولر و انچارج و چیئرمین ڈاکٹر مختار ظفر صاحب کا اور نہایت اعلیٰ آخری مضمون نائب صدر تنظیم نظمیہ بوری والا جناب عامر زمان عامرؔ صاحب کا ہے ۔اکثر کتب میں ایک دو صفحات مصنف کے بھی شامل ہوتے ہیں جس میں وہ بڑی انکساری کے ساتھ واضع کرتا ہے کہ اس نے اس کتاب کو لکھنے کی کیوں تکلیف اٹھائی ۔اور ساتھ شکریہ بھی ادا کرتا ہے ان صاحبان کا جنھوں نے اس کی کتاب کے اولین صفحات میں تعریف کے پل باندھے ۔مگر ارمان صاحب نے ایسا کچھ تکلف نہیں کیا۔ پڑھے لکھے آدمی ہیں ناانہوں نے بڑے کمال سے کتاب کی ابتدا کرتے ہوئے بڑی خوبصورتی کے ساتھ کہہ دیا۔'' چاہیے تو یہ تھا کہ ابتدائی صفحات میں سفرنامے کے ایک ایک جز کی بات کروں لندن ایکسپریش کے ہر سٹاپ کے پس منظر اور حقائق سے آپ کو آگاہ کروں مگر نہیں ...وجہ... بھائی صاف ظاہر ہے کہ پاکستان جیسے ''علم و ادب دوست'' ماحول میں بعض قارئین کے ادبی ذوقِ مطالعہ سے بخوبی واقف ہوں ۔(یہاں وہ برطانیہ بھی لکھ دیتے تو بات جھوٹی نہ ہوتی) جو کسی کتاب کے صفحات کی تعداد دیکھتے ہی منہ بنا لیتے ہیں بعضے تو بیمار بھی پڑ جاتے ہیں ۔لہذا یہی سوچا کہ پوری کتاب پڑھنا پہلے ہی ایک بوجھل اور مشکل کام ہے اس پر مضمون کے اضافے کی صورت میں یوں ہی بیٹھے بٹھائے کسی سے نسل در نسل دشمنی مول لینا کیا ضروری ہے'' بحر حال ...دوستو ! یہ سفرنامہ ان کی کامیاب کوشش ہے اور انداز تحریر نہایت خوبصورت اور دلچسپ ہے ۔میں ارمان بھائی کو ان کی اس ادبی کاوش پر دلی مبارک باد دیتا ہوں ۔اور گزارش کرتا ہوں کہ وہ اسی طرح لکھتے رہیں ۔نثر ویسے بھی بہت کم لکھی جا رہی ہے اور اس صنف میں تو پورے برطانیہ میں میری معلومات میں صرف تین لوگ ہیں جنھوں نے سفرنامے لکھے ہیں ۔ایک بار پھر انہیں مبارک باد ...اللہ کرے ہوز ورِ قلم اور زیادہ ۔آمین

-

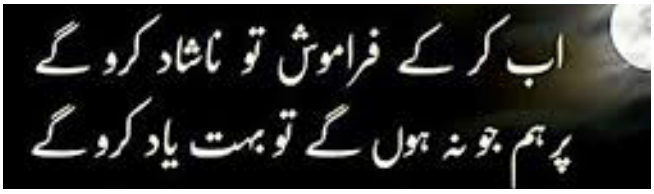

طفیل خلش کی شاعری

عرفان احمد خان

چند روز قبل جرمنی کے گلستانِ ادب کے فنکار جنان طاہر عدیم نے آج کی ادبی محفل میں کچھ لکھنے کا ارشاد فرمایا تو مشاعرہ نہ ہونے کے باوجود میں نے طفیل خلش کی محبت میں چند الفاظ بیان کرنے کی حامی بھر لی۔ اس درمیاں درپیش آنے والے ایک واقعہ کے بعد شاعری کے بارے میں بیان کرنا کچھ آسان نہیں رہا۔ واٹ اپس کے بے دریغ اور بے محل استعمال نے بعض مخصوص لوگوں اور شعراء کے بے صبر اور بے کل بنا دیا ہے تین روز قبل ایک شاعر نے اپنی بے کلی کے ہاتھوں اپنے ایک تازہ بتازہ قطعہ کو افادیت عام کے لائق سمجھا۔ مجھ بے ادب نے وٹس اپ میں جواباً تحریر کیا کہ قطعہ نثر میں ہے شاعر نے ادب کے ادنیٰ طالب علم کی رائے کو گستاخی خیال کرتے ہوئے جواب دیا کہ جو نثر لکھتے ہیں اُن کو اشعار بھی نثر نظر آتے ہیں ان کو اپنی آنکھوں کا علاج کرانا چاہیے اس تجربہ کے بعد ڈرتا ہوں کہ وٹس اپ پر تو ایک شاعر سے وابستہ تھا یہاں تو شاعروں کی مجلس ہے نہ جانے کس کس طرف سے تیروں کا سامنا کرنا پڑے۔

طفیل خلش اور میرا 30 سال کا ساتھ ہے۔ رابطہ کی بنیا طفیل خلش کی شاعری ہی تھی۔ میں نے خلش کو بڑا شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا انسان بھی پایا خلش نے تعصب سے پاک انسان دوستی کو اولیت دے کر ہر دل میں اپنا گھر بنا لیا لیکن جواب میں ہم نے بُخل سے کام لیا۔ خلش کے چار مجموعہ کلام شائع ہو چکے ہیں۔ چُپ دا موسم ۔مٹی دی خوشبو چ تے دی دیوار، گونگی پُکار ان انمول کتابوں کی تقاریب پذیرائی ادبی انجمنوں کی طرف سے پاکستان اور انگلستان میں کی جاتی رہیں۔ مجموعہ کلام گونگی پُکار نے 6 ادبی ایوارڈ حاصل کئے ۔ہم اہل ذوق طفیل خلش کی قدردانی کا دعویٰ کرنے والے رائن سائن میں موجود تین ادبی انجمنوں کے باوجود اس سعادت سے محروم رہے۔ میں خود بھی قصوروار ہوں اعتراف گناہ کے یہ چند الفاظ میرے جرم کی نوعیت کم نہیں کر سکتے ہمیں ممنون ہونا چاہیے ارباب ذوق افن باخ کا جنھوں نے آج ہم سب کو جمع کر کے اس خلش کی فکری کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرنے کا موقعہ فراہم کیا ہے۔ طفیل

خلش پنجابی زبان کا شاعر ہے۔ پنجاب کا دارالحکومت لاہور خلش کا آبائی شہر ہے۔ جہاں اس نے لڑکپن سے لے کر شعور کی منزل تک کا سفر طے کیا۔ لاہور صدیوں سے تہذیب وثقافت کا مرکز چلا آرہا ہے۔ لاہور کے شب وروز اس کی صبحیں اس کی دُوپہریں اس کی شامیں اس کی لمبی اور سرد راتیں اپنے دامنوں میں اتنی کہانیاں سمیٹے ہوئے ہیں۔ جتنے انسان یہاں پیدا ہوتے اور مرتے ہیں آج اس کے گلی کوچوں اور بازاروں میں ہر دور کی تہذیب وثقافت کی جھلک نظر آتی ہے۔ طفیل خلش اسی تہذیب کا نمائندہ شاعر ہے وہ جرمنی میں پنجاب کی خوشبو اور پنجاب کی ثقافت کی سرگوشیاں ساتھ لے کر چلتا ہے پنجاب کے افسانوں اور کہانیوں کو اشعار میں ڈھالنا بلکہ ان اشعار سے پنجاب کے گاؤں کی تہذیب وثقافت کی تصویریں بناتا ہے۔ اپنی دھرتی، اپنی مٹی، بھولی بسری یادیں اور لوک کہانیوں کو اتنے پیارے انداز میں پیش کرتا ہے جس سے ماضی حال اور مستقبل گلے ملتے محسوس ہوتا ہے۔ طفیل خلش کی شاعری میں وطن سے دوری کا احساس ہے درد ہے انسان دوستی ہے۔

گاؤں کی برستی بارش می کچی مٹی کی بھینی بھینی خوشبو ہے۔ خلش کا کمال یہ ہے کہ وہ ماضی کو سامنے لا کھڑا کرتا ہے اور لگتا ہے کہ اُن کا گاؤں نہیں یہ اُن کے بچپن کے واقعات نہیں یہ اُن کے گاؤں اور کھیتوں کی پگڈنڈیاں نہیں بلکہ ہر ایک کے گاؤں کی آپ بیتی اور وہاں کے شب وروز کا ذکر ہو رہا ہے۔ خلش کی کتابوں میں قدیم ادوار کے لوگ حویلیاں راستے گرمیوں کی دوپہریں دور کسی گھنے درخت کی کسی شاخ پر تنہا بیٹھی فاختہ کا دُکھ بھرا گیت، مٹی کے بنے انسان کی زندگی کی طرح غیر ہموار راستوں، کٹھن منزلوں اور کمزور گھروندوں کی داستانوں کی ذکر ملتا ہے۔ طفیل خلش کو جاننے والے جانتے ہیں کہ ان کی شخصیت میں ایک عجیب بے نیازی ہے ان کی گفتگو میں ہی اتنی روانی اور خوبصورتی پائی جاتی ہے جیسا کہ شاعری میں جس طرح خلش کے اشعار اس کے دل کے رفیق ہیں۔ اس طرح مشاعروں میں ان کے رفیق کاروں اور چاہنے والوں کی کمی نہیں۔ کیونکہ خلش کی زبان اور دل کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں۔ کوئی منافقت کا خلا نہیں۔ اس کے اشعار میں زندگی کے گہرے تجربوں کی تلخی کا اظہار بھی بہت سلیقے سے کیا گیا ہے۔

انسانوں میں کمزوریاں ہیں مگر خلش کی کمزوریاں اس کی ذات تک محدود ہیں۔ ان سے کبھی کسی دوسرے شخص کو نقصان نہیں پہنچا، خلش کا دل انسانی مہرو مروت کا گہرا سمندر ہے۔ وہ انسان کو اُس کو مذہبی عقائد پر پرکھنے کی بجائے انسانیت کو مقدم جانتا ہے وہ ہر ذی رُوح سے پیار کرتا ہے۔ جیسا کہ میں نے شروع میں کہا کہ ہمارا تعلق کم وبیش 30 سال پر محیط ہے۔ ہمارے درمیان آج تک کبھی رنجش پیدا نہیں ہوئی۔ اُس کی سب سے بڑی وجہ طفیل خلش کی دردمندی انسان دوستی اور درویشانہ صفات ہیں۔ جرمنی کے ترقی پسند ایل ذوق کل بھی خلش کے قدردان تھے اور آئندہ بھی اس کو چاہتے رہیں گے۔ کیونکہ خلش ہمارے پیارے پنجاب کی ادبی پہچان ہیں۔ پنجاب کا کلچر اس کے ساتھ سانس لیتا ہے اور پنجاب کا دل خلش کے دل کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ خدا کرے یہ انسان نواز دل صحت وتندرستی کے ساتھ اسی طرح دھڑکتا رہے اور پنجاب کے کلچر کی یہ آواز تادیر ہمارے درمیان موجود رہ کر ہماری ادبی راہنمائی کرتی رہے۔

سایہ فگن رہے وہ تمہارے وجود پر
حاصل رہے خدا کی عنایت خدا کرے

غزل۔ شائق نصیر پوری

کن نظاروں کی بات کرتے ہو
تم بہاروں کی بات کرتے ہو
ہم تو صحرا ہیں بڑی مدت سے
آبشاروں کی بات کرتے ہو
وہ جو مقتل سجائے بیٹھے ہیں
میرے پیاروں کی بات کرتے ہو
مجھ پہ شب بھر جو روز ہستے ہیں
ان ستاروں کی بات کرتے ہو
چھین کر مجھ سے میری بیساکھی
اب سہاروں کی بات کرتے ہو
بیچ ساگر میں لا کے تم شائق
کیا کناروں کی بات کرتے ہو

تعلیم کی کمی

(احمد منیب
ایم۔اے)

کچھ عرصہ پہلے یہ رواج تھا جب بلدیاتی نظام شہروں اور قصبات میں تھا کہ مقامی طور پر چیئرمین یا ایڈمنسٹریٹر اس بات کا ذمہ دار ہوتا تھا کہ شہر میں یا ٹاؤن کمیٹی کی حدود میں بیماریاں پھیلانے والے عناصر کو پنپنے نہ دیا جائے۔ ان عناصر میں سبزی منڈی اور مذبح خانے سب سے بڑا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اگر شہر کی رہائشی آبادیوں کے درمیان یا اندر واقع ہوں تو قریب رہنے والوں کا جینا محال ہو جاتا ہے۔

اسی لئے حکومتوں نے اس بات پر بہت عرصہ پہلے غور کیا اور اپنی سی کوشش بھی کی کہ سبزی منڈیوں اور مذبح خانوں کو شہر سے باہر مناسب جگہ دی جائے۔ اس سے اور مسائل بھی پیدا ہو گئے کہ اتنے کی سبزی یا پھل نہیں آتے جتنا کرایہ بعض اوقات منڈی جانے تک کا لگ جاتا ہے۔ رکشوں یا بسوں پر جائیں اور پھر جب خریداری کریں اور واپس آئیں تو رکشا کروائیں۔ بہرحال اس وقت بات ہم کر رہے ہیں تعلیمی مسائل کی تو اس حوالے سے میں بات یہ کرنا چاہتا ہوں کہ جس شہر کا میں رہنے والا ہوں وہاں مجھے یاد ہے کہ ایک بار میرے دادا جان نے مجھے جوتا مرمت کروانے بھیجا اور کہا کہ ''حاجی صاحب کے پاس جانا'' میں حاجی صاحب کے پاس چلا گیا۔ بالکل ان پڑھ تھے حاجی صاحب اور جوتے مرمت کرتے تھے۔ لیکن ان کی طبیعت مجھے پسند آئی۔ بہت ہی پیار سے انہوں نے بات کی پھر یوں ہوا کہ ان کو ان کے محلہ داروں نے مل کر کہا کہ آپ ایک شریف انسان ہیں اور بات کا ہنر جانتے ہیں سمجھدار ہیں اس لیے آپ محلہ کے کونسلر کا الیکشن لڑیں۔

حاجی صاحب نے الیکشن لڑا اور بہت اعلیٰ کامیابی حاصل کر لی۔ محلہ کے کونسلر بن جانے کے بعد ان کے من میں کسی نے ڈال دیا کہ اگر آپ کونسلر بن سکتے ہیں تو چیئرمین کیوں نہیں؟ ان کو ملک کے ایک بڑے سیاست دان کا دستِ شفقت راس آ گیا کیونکہ اُنہوں نے اس کی پارٹی کی رکنیت لی ہوئی تھی اور بڑے بے باک قسم کے کارکن تھے۔ اللہ اللہ کر کے پارٹی نے پیسہ لگایا اور ان کو چیئرمین بنا دیا گیا۔ انہوں نے کمال سمجھداری سے قائدانہ صلاحیتیں استعمال کر کے شہر کو سنبھالا اور ان کے دور میں شہر میں بہت ترقی کی اور صفائی ہوئی۔ کم از کم کسی کے بھی جوتے ٹوٹے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ موچی برادری کی تو جیسے لاٹری نکل آئی ہو۔ حاجی صاحب بہت اچھے اور شفیق انسان تھے۔ ایک بار ہم نے بیڈمینٹن کا ٹورنامنٹ کروایا تو حاجی صاحب کو افتتاح کے لیے بلوایا۔ ہال کو دیکھ کر حاجی صاحب بہت خوش ہوئے اور بہت اچھی تقریر کی۔

حاجی صاحب کی ایک بہت بڑی صفت یہ تھی کہ جو کہتے تھے وہ کر گزرتے تھے۔ اگلے مہینہ ہم نے کرکٹ کا ٹورنامنٹ کروایا تو سٹیڈیم میں حاجی صاحب کو افتتاح کے لیے بلایا۔ حاجی صاحب زورِ خطابت میں کہنے لگے کہ ''میں شہر کے سٹیڈیم پر چھت ڈلوا دوں گا'' ہم بہت خوش ہوئے کہ اگر کوئی تعلیم یافتہ انسان ہوتا تو کبھی اتنی جرأت کا اظہار نہ کرتا۔ حاجی صاحب سٹیڈیم پر چھت صرف اس لئے نہ ڈلوا سکے کہ انہیں کوئی پڑھا لکھا مشیر مل گیا تھا۔

پڑھے لکھوں کی مشاورت کی کیا بات ہے۔ آج کل ڈگریوں کا رَولا پڑا ہوا ہے۔ جس اخبار کو دیکھ لیں ڈگریاں، جعلی ڈگریاں، نقلی ڈگریاں، اصلی ڈگریاں اور جس ٹی وی چینل کو کھولیں اس میں بھی یہی مسئلہ۔ حتیٰ کہ پنجاب حکومت کو صحافی برادری کے ساتھ پنگا لینا پڑا اور پھر جو کچھ ہوا سب کے سامنے ہے کیونکہ تعلیم کی کمی ہے۔

ایک بہت بڑے صاحب نے بیان دیا کہ ''ڈگری تو ڈگری ہوتی ہے چاہے اصلی ہو چاہے نقلی''۔ یعنی ضرورت کیا ہے یہ دیکھنے کی کہ ڈگری اصلی ہے یا نقلی۔ ایک دوست مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ کا اس بارہ میں الگ سا نظریہ کیا ہے؟ تو میں نے اس پر کہا کہ ''میاں! تم دیکھو کہ ان بڑے بڑے لوگوں کے پاس ڈگریاں جعلی ہیں بلکہ تم ان کی تعلیم کے محبت کا اندازہ کرو کہ ان لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا اس

لیے تعلیم تو حاصل نہیں کر سکے لیکن ڈگریاں حاصل کرنے کا موقع تو ان کو مل گیا نا اس لیے انہوں نے مہنگا سستا نہیں دیکھا بس ڈگری جیسے تیسے بھی حاصل ہوئی کر لی۔ یہ تو ان کی تعلیم کے ساتھ محبت کا ایک ثبوت ہے۔''

آپ سیاست دان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ایک کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے پاس دَھن دولت ہے، کالا دھن ہے یا سفید قطع نظر اِس کے، آپ کے دستر خوان پر انسانوں کے ساتھ ساتھ کتے اور بلیاں بھی استفادہ کر رہے ہیں، گھوڑے اور گدھے بھی فیض پا رہے ہیں تو آپ اِس قابل ہیں کہ آپ اسمبلی کے ممبر بن کر ان جانوروں اور انسانوں کے مسائل حکمرانوں کے سامنے بیان کریں اور ان کے مسائل حل کروائیں۔ سیاست دان کے لیے بی اے یا ایم اے کی ڈگری کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کے پاس دل گردہ اور بولنے والی زبان اور مسائل کو حل کرنے والی جیب ہونی چاہئے۔ تعلیم کو اگر ہم سیاست سے دُور ہی رکھیں تو بہتر ہوگا۔ یہ میرا ذاتی خیال ہے اور ضروری نہیں ہے کہ آپ سب اِس سے متفق ہوں۔ ہاں وزارتوں کے لیے کچھ امتحانات مقرر ہوں تا کہ جو شخص بھی کسی محکمہ کا قلم دان سنبھالے وہ اس کی ذمہ داریوں کو نبھانے کا اہل ہو۔ پھر آہستہ آہستہ یہ تبدیلی بھی آ جائے گی کہ سیاست دان طبقہ بھی پڑھ لکھ جائے گا۔ کیونکہ آج کل تعلیم عام ہوگئی ہے اور ماشاء اللہ بہت سے لوگ اپنے بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ کر رہے ہیں۔ اچانک ایک شعبۂ زندگی میں اتنا بڑا خلا ڈال دینا بھی ایک کالی سیاست کا حصہ نہیں تو کیا ہے؟ اور ملک کے ساتھ غداری نہیں تو کیا ہے؟ لیکن ایک بات ہے کہ کسی بھی حکمران کے استعفے سے ملک کو کچھ بھی نہیں ہوا اور کام سارے کے سارے اسی طرح چل رہے ہیں جس طرح چل رہے تھے۔ یہ سب کچھ سوچنا صرف سیاست دانوں کا ہی کام نہیں بلکہ ہم عوام کا بھی کام ہے اور جابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا جہاد ہے۔ سو ہم نے یہ کر دیا۔

اصل بات تعلیم کی کمی نہیں اصل معاملہ، معاملہ فہمی کے فقدان کا ہے۔ ہمارے حکمران اپنے دعووں میں ناکام ہو جانے کے بعد الزام تراشیاں اور ایسی حرکات شروع کر دیتے ہیں کہ عوام کی توجہ بٹ جائے اور ان کی سیاہ کاریوں کو عوام کی نظریں نہ پکڑ سکیں اور وہ جو چاہیں کرتے پھریں اس لیے اس قسم کے ایشو کھڑے کئے جاتے ہیں۔ ان کا ایک مقصد اپنے مخالفین کو نیچا دکھانا بھی ہوتا ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا کہ اگر ملک کی سلامتی چاہتے ہیں تو ہمیں اس بات پر توجہ دینا ہوگی کہ کچھ بھی ہو جائے ہم نے ملکی سلامتی پر آنچ نہیں آنے دینی چاہے ہماری جان بھی چلی جائے یہ ڈگری یا عہدہ کیا چیز ہے؟ ہم نے ملک کی بہتری کے لیے مل کر کام کرنا ہے نہ کہ عہدوں کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے لڑنا اور جھگڑنا ہے۔

ایک بار کلاس میں لیکچر کے دوران ایک طالب علم نے ایک شعر کا مطلب پوچھا کہ:

غریب شہر تو فاقے سے مر گیا عارفؔ
امیرِ شہر نے ہیرے سے خودکشی کر لی

میں نے ان کو بتایا کہ تعلیم کی دونوں میں کمی تھی کہ دونوں نے اپنے اپنے مسائل کو حل کرنے کی بجائے حرام موت اختیار کر لی۔ غریب اس لیے مرا تھا کہ اس کے پاس کھانے کو، اپنے بیوی بچوں کو کھلانے کو کچھ نہیں تھا اور امیر اس لیے مر گیا کہ اس کو دل کا سکون میسر نہیں تھا۔ پس اگر امیر غریب کی مدد کرتا تو یہ مسئلہ کھڑا نہ ہوتا اور دونوں زندہ بھی رہتے اور خوش حال بھی۔ کیوں کہ غریب کو کھانا مل جاتا اور امیر کو اس کی مدد کر کے دل کا سکون میسر آ جاتا۔

میرا کام تو یہ ہے کہ مسئلہ کی طرف اشارہ کر دیا اور پھر اس کا حل بتا دیا کیونکہ میں اس بات کا قائل ہوں کہ:

جو اُس نے کیا اس کو صلہ دے
مولیٰ مجھے صبر کی جزا دے

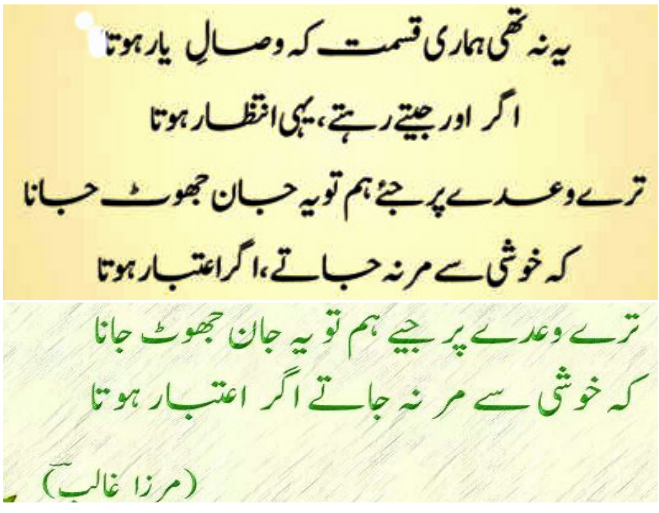

حاصلِ مطالعہ

عاصی صحرائی

بازوئے محبت

مولانا صاحب جمعہ کے خطبے میں جذباتی تقریر کررہے تھے۔ ''میری زندگی کے سب سے سہانے شب وروز جس عورت کے بازوؤں میں گزرے وہ عورت میری بیوی نہیں تھی'' حاضرین کو سانپ سونگھ گیا کہ مولانا کیا کہہ رہا ہے؟ مولانا نے تجسس ختم کرتے ہوئے کہا... ''گھبرائیے نہیں۔ وہ عورت میری ماں تھی''... ایک صاحب کو یہ بات بہت پر لطف لگی، سوچا کیوں ناں گھر جا کر اپنی بیوی کو بھی اس لطف میں شامل کر لے۔ سیدھا کچن میں گیا جہاں اس کی بیوی انڈے فرائی کر رہی تھی... صاحب نے کہا ''تم جانتی ہو میری زندگی کے سب سے سہانے شب وروز جس عورت کے بازوؤں میں گزرے وہ کم از کم تم نہیں تھی'' چار دن کے بعد جب ان صاحب کے منہ سے پٹیاں اتاری گئیں اور تیل کی جلن کچھ کم ہوئی تو بولے ''کاپی پیسٹ سے گریز کرنا چاہیئے۔''

انسانی خیالات

ایک بچے نے سمندر میں اپنا جوتا کھو دیا تو بلکتے ہوئے بچے نے سمندر کے ساحل پر لکھ دیا کہ سمندر چور ہے اور کچھ ہی فاصلے پر ایک شکاری نے سمندر میں جال پھینکا اور بہت سی مچھلیوں کا شکار کیا۔ تو خوشی کے عالم میں اسنے ساحل پر لکھ دیا کہ سخاوت کیلئے اسی سمندر کی مثال دی جاتی ہے... اے بحرِ سخاوت! سخاوت تم سے اور تم سخاوت سے ہو۔ نوجوان غوطہ خور نے سمندر میں غوطہ لگایا اور وہ اسکا آخری غوطہ ثابت ہوا۔ کنارے پر بیٹھی غمزدہ ماں نے ریت پر ٹپکتے ہوئے آنسوں کیساتھ لکھ دیا... یہ سمندر قاتل ہے.. ایک بوڑھے شخص کو سمندر نے قیمتی موتی کا تحفہ دیا تو۔ اسنے فرحت جذبات میں آکر ساحل سمندر پر لکھ دیا... کہ یہ سمند کریم اور سخی ہے۔ کرامت اس سے یہ اور یہ کرامت کی مثال ہے۔ پھر ایک بہت بڑی لہر آئی اور اسنے سب کا لکھا ہوا مٹا دیا... لوگوں کی باتوں پر سر مت دھرو ہر شخص وہ کہتا ہے جہاں سے وہ دیکھتا ہے۔ خطاؤں اور غلطیوں کو مٹا دو تا کہ دوستی اور بھائی چارگی چلتی رہے۔ کبھی کسی کی خطا کی وجہ سے دوستی اور بھائی چارگی مت مٹلاؤ... جب تمہارے ساتھ برا سلوک کیا جائے جواب میں اس سے بدتر کا مت سوچو بالکہ نیکی کی نیت کر لو۔ کیونکہ قرآن میں رب العزت فرماتے ہیں۔

وَلَا تَستَوِی الحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادفَع بِالَّتِی هِیَ احسن

بھلائی اور برائی کبھی برابر نہیں ہوسکتی اور برائی کو اچھے طریقے سے دور کردو۔

میں تم سے ناراض ہوں!...

(عربی زبان سے ماخوذ)

ایک آدمی نے دو شادیاں کی، ہر معاملے میں وہ ان دو بیویوں کے ساتھ برابری اور انصاف کا خیال کیا کرتا تھا، قضائے الٰہی سے دونوں کی ایک ہی دن موت واقع ہوگئی، اپنی عادت کے مطابق اس نے دونوں کو غسل بھی ایک ہی وقت میں دلوایا، جب گھروں سے جنازے نکالنے کا موقع آیا تو دروازہ ایک ہی تھا، اس بے چارے نے بڑھئی کو بلا کر ایک دروازہ اور لگوایا تا کہ انصاف کے تقاضوں پر عمل ہوسکے اور دونوں کا جنازہ ایک ہی وقت میں گھر سے نکالا جائے، جنازے ایک ساتھ گھر سے نکلے اور ایک ساتھ ان دونوں بیویوں کی تدفین عمل میں آئی، شوہر نے خدا کا شکر ادا کیا اور خوش ہوتا رہا کہ میں نے کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی، کسی رات ایک بیوی خواب میں آکر کہنے لگی۔ اللہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا، تم نے میرے ساتھ زیادتی کی، میں تم سے ناراض ہوں، شوہر کے چودہ طبق روشن ہوگئے، اس نے وجہ پوچھی پتہ ہے جواب کیا ملا؟ تم نے میرے جنازے کو پرانے دروازے سے باہر نکالا اور اپنی دوسری بیوی کو نئے دروازے سے۔ باپ رے، کتنا مشکل ہے بیویوں کو خوش رکھنا۔

اخلاق عالیہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پھلوں سے پہچانو۔

میجر آرتھر گلن لیونارڈ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق لکھتے ہیں:

اگر کبھی اس زمین پر کسی انسان نے خدا کو پایا ہے، اگر کبھی کسی انسان نے ایک اچھے اور عظیم مقصد کے لئے اپنی زندگی خدا کی راہ میں وقف کی ہے تو یہ بات یقینی ہے کہ نبی عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ انسان ہیں۔ کیونکہ مجموعی طور پر اور حقیقی معنوں میں آپ بہت ہی معقول تھے اور یہ بات ان پھلوں کو دیکھ کر واضح ہو جاتی ہے جو آپ کی محنت نے پیدا کئے۔

(Islam her noral and spritual value by Major Arthur Glyn, London and co 46. Great russell street page 18,19)

شعلہ نور

میجر آرتھر گلن لیونارڈ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھتے ہیں۔

''خدا ایک شعلہ تھا، ایک ایسا شعلہ جو زندگی کی چنگاری تھا، اور یہ عاجز اور ایماندار عرب کا تاجر (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ تنکا تھا (جو اس شعلہ کو قبول کرے) وہ بیس سال تک خاموشی سے ایک انگارے کی طرح سلگتا رہا اور بلآخر خدا نے اسے روشن کر دیا۔

نفرت سے پاک انسان

فرانسیسی مورخ اینیٹ رینان لکھتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے سامنے ایک محبت کرنے والے، معقول باوفا اور نفرت کے جذبات سے پاک انسان کے طور پر سامنے آتے ہیں آپ کی محبت پر خلوص تھی اور آپ کی طبیعت میں رحم کی طرف زیادہ جھکاؤ تھا جب وہ (عرب لوگ) آپ کا ہاتھ مصافحہ کرنے کیلئے پکڑتے تو آپ نہایت گرم جوشی سے اس کا جواب دیتے اور کبھی پہلے اپنا ہاتھ نہیں چھڑاتے۔ آپ چھوٹے بچوں کو سلام کرتے اور کمزوروں اور عورتوں سے بہت زیادہ شفقت سے پیش آتے آپ نے فرمایا جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔

ایک بہترین میسج!

سوچا کیوں نہ اپنوں کو بھی اس میں شامل کرلوں۔

فٹ بال میچ: 90 منٹ، کرکٹ: دن بھر، فلم: 3 گھنٹے، ڈرامہ: 60 منٹ، نماز: 5 یا 10 منٹ، جہنم: زندگی بھر۔ جنت: زندگی بھر۔ اہل عقل و دانش کیلئے سوچنے کا مقام، وٹس ایپ پر 300 دوست، موبائل: 200، علاقے: 50 مشکل کے وقت (1) جنازے میں (رشتہ دار) قبر (اکیلا) تعجب نہ کریں زندگی اسی کا نام ہے۔ حقیقت یہی ہے آپ کو آپ کی صحیح عبادت ہی کام آئے گی۔ مجھے اگر اپنے گھر میں رکھے قرآنی نسخہ پر دھول نظر آئے تو مجھے اپنے آپ پر رونا چاہیئے۔ دنیا بڑی عجیب ہی جنازے پر جنازہ وفات پر وفات بجلی کڑکنے کی طرح موت کی خبریں، فلان ایکسیڈنٹ کی موت، فلان بیماری سیفلاں چلتے چلتے چل بسا، سب کو مٹی تلے دفنایا، یقینا میرا اور آپکا دن بھی آنے والا ہے۔ اس سفر کی تیاری کرو جس میں واپسی نہیں۔ محترم دوست: توبہ کو چھوٹی عمر کے بہانے مؤخر نہ کرو۔ معاف کرنا قبروں پر کہیں یہ بورڈ نہیں لگا ہے۔ (صرف بڑوں کیلئے)

دنیا تین دن کی ہے

کل: جو کبھی واپس نہیں آئے گا۔

آج: جو ہم جی رہے ہیں وہ ہمیشہ نہیں رہے گا۔

آئندہ کل: ہم نہیں جانتے کہاں ہونگے۔

معاف کرتے جاؤ، خیرات کرتے جاؤ۔ میں... آپ۔ وہ...، سب جانے والے ہیں۔

''اے اللہ ہمیں خاتمہ بالخیر نصیب فرما۔ (آمین)''

جو جیسی زندگی گزارتا ہے اسی پر مرتا ہے۔

جو جس حالت میں مرتا ہے اسی حالت میں اٹھایا جاتا ہے۔

قابل غور باتیں

سڑکیں۔ جام۔ بازار: بھیڑ ہی بھیڑ۔ بینک: لائن پر لائن، یونیورسٹیاں۔ سیٹیں فل۔ پلے گراؤنڈ: کھچا کھچ بھرے۔ ہوٹل۔ بھیڑ ہی

بھیڑ۔ پر افسوس، مساجد، خالی، یا رب رحم فرما، یارب اصلاح کی توفیق دے۔'' آمین۔ جب اچھا لگے تو دوستوں کو بتائیں کیونکہ اللہ فرماتا ہے نصیحت کرو وہ مومنوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

کتا اور بزرگ

ایک بزرگ سے کتے سے کہا تو بہت وفا دار ہے پر تجھ میں تین کمیاں ہیں۔

* ۔تو دیوار پر پیشاب کرتا ہے۔* ۔تو فقیر پر پھونکتا ہے۔

* ۔تو رات میں بھونکتا ہے۔ کتے نے جواب دیا۔

* ۔زمین پر اس لئے پیشاب نہیں کرتا کہ کہیں اللہ کا کوئی بندہ یہاں سجدہ نہ کردے۔

* ۔فقیر پر اس لئے بھونکتا ہوں کہ وہ غیر سے مانگتا ہے اللہ سے نہیں۔

* ۔رات کو اس لئے پھونکتا ہوں کے اے غفلت میں سونے والے اُٹھو اور اپنے رب کو یاد کرو۔

حج کے موقع پر مختلف دعا مانگنے والوں کا تذکرہ

حج کے موقع پر پیش آنے والے چند دلچسپ واقعات:

ایک پولیس والے نے بیان کیئے جو حج کے انتظامات کیلئے وہاں ملازمت پر تھا:

۱۔ایک بوڑھی مصری عورت شیطان کو ہر بار کنکری مارتے ہوئے کہتی اور یہ ایک اور لے کتے کے بچے۔ہم نے اسے کہا حاجن، ایسا کہنا جائز نہیں ہے۔وہ بولی: تمہارا رشتے دار لگتا ہے کیا؟۔

۲۔ایک لبنانی حاجی ایسے دعا مانگ رہا تھا۔ یا اللہ بس مجھے کوئی اپنے ذوق کے مطابق اچھی سی چیز عطا کر دیجیئے۔

۳۔مصری عورت خانہ کعبہ کی طرف پیٹھ کرکے دعا کر رہی تھی۔ دوسری عورت نے کہا۔بہن اس طرف منہ کرکے دعا مانگو۔

کہنے لگی بس تو چپ رہ۔دیکھ نہیں رہی ادھر اللہ میاں کے پاس کتنا رش لگا ہوا ہے۔

۴۔ایک مصری حاجی جمرات (شیطان) کے پاس کھڑا کہہ رہا تھا دیکھ ابلیس، نا تو میں تجھے یہاں مارنے کیلئے آیا ہوں اور نا ہی تجھے گالیاں دینے کیلئے۔بس میری دو باتیں سن لے۔تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دے، میں تجھے تیرے حال پر چھوڑ دیتا ہوں۔

۵۔مصری حاجن اپنی دو سالہ بچی کو اُٹھا کر کہہ رہی تھی۔ یا اللہ اس کی شادی کرا دینا۔

۶۔ایک مصری حاجی کو سعودی حکومت کے حج انتظامات اتنے اچھے لگے کہ اس نے ایک ٹیلی ویژن کے نمائندے کو (آن ایئر) اپنے تاثرات بتاتے ہوئے کہا: اگر سچ پوچھو تو میں بس یہی کہنا چاہتا ہوں کہ جسے حج کرنا ہو اُسے چاہیئے کہ اپنا حج بس سعودی عرب میں ہی آ کر کرے۔

۷۔ایک مصری عورت کہتی ہے میں جمرات (شیطانوں) کے پاس کھڑی تھی کہ میں نے ساتھ کھڑی عورت کو کہتے سنا۔ یا اللہ تو ان سب کو چھوڑ اور بس میری بات سُن لے۔

۸۔ایک مصری حاجی کعبہ کو دیکھتے ہوئے یہ دعا مانگ رہا تھا یا اللہ مجھے عشرہ مبشرہ میں داخل فرمادے۔ایک دوسرے حاجی نے اس کی یہ دعا سنی تو اسے کہنے لگا۔ساتھ یہ بھی بتا کہ اللہ پاک ان عشرہ مبشرہ میں کس کو باہر نکال کر تجھے ان عشرہ میں داخل فرمادے۔

***

ایک بادشاہ کے سامنے تین آدمی بیٹھے تھے۔

* ۔ اندھا ** ۔فقیر *** ۔عالم۔

بادشاہ نے یہ مصرعہ کہہ دیا۔اس لیے تصویر جاناں ہم نے بنوائی نہیں'' اور سب کو حکم دیا کہ اس سے پہلے مصرعہ لگا کر شعر پورا کرو۔

(1) اندھے نے کہا:

اس میں گویائی نہیں اور مجھ میں بینائی نہیں
اس لیے تصویر جاناں ہم نے بنوائی نہیں

(2) فقیر نے کہا:

مانگتا پیسے مصور جیب میں پائی نہیں
اس لیے تصویر جاناں ہم نے بنوائی نہیں

(3) عالم نے کہا:

بت پرستی دین احمد میں کبھی آئی نہیں
اس لیے تصویر جاناں ہم نے بنوائی نہیں

مسلم اُمت کی تاریخ کا سب سے بڑا دلال

ابن سعود نے اپنے ابتدائی دور میں برطانیہ سے 20ہزار پاؤنڈ سالانہ امداد 1000ہزار جنگی ہتھیار 2لاکھ بارود کے ساتھ 5000ہزار پاونڈ ماہانہ اضافی وظیفہ کےعوض مسلم اُمہ کوایسا تقسیم کیا کہ برطانیہ کی میموں سے ریت پر انگلیوں کے نشانات بنا کر خلافت عثمانیہ کی وحدت کو 22 حصوں میں تقسیم کر دیا۔اور پھر سعودی اقتدار کے ذریعہ انتشار اور تفریق کا ایسا جال بچھایا کہ آج لاکھوں مساجد اور ہزاروں مدارس ہونے کے باوجود نہ کوئی مسلمانوں جیسا مسلمان باقی رہا اور نہ مجاہدوں جیسا مجاہد سب کافر اور ایک دوسرے کے دشمن ہی دشمن ہیں۔

اس سوال سے ایک لطیفہ یاد آ گیا

ایک سکھ پچاس سال کی عمر میں مسلمان ہوا تو مولویوں کے کہنے پر اس کو ختنہ کروانا پڑا بعد میں جب دن میں پانچ نمازیں پڑھنی پڑیں تو وہ سکھ بہت اُکتایا کہ یہ کیا مصیبت ہے اس نے اسلام چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا جس پر اسکے مولویوں نے کہا کہ ایسا سوچنا بھی مت ورنہ گردن کاٹ دیجائے گی۔سکھ نے زِچ ہوکر پنجابی میں کہا۔ایہہ چنگا مذہب اے وچ آؤ تے تھلوں وَڈ دیندے نیں تے اگر باہر جاؤ تے اُتوں۔

دوستی اور دشمنی

انسان دوست ظالم لوگ اور قومیں اپنے پاگل پن کی وجہ سے ہمیشہ دشمن پیدا کرتی ہیں اور پھر جنگ وجدل ان کو تباہ و برباد کرنے میں لگی رہتی ہیں جبکہ اچھے لوگ اور قومیں ساری دنیا میں زندگی بسر کرتی ہیں جس سے دنیا میں امن آتا ہے۔

پچھتانا

میاں بیوی چوری کے موضع پر گفتگو کرتے ہیں۔

خاوند ''جو شخص چوری کرتا ہے وہ بعد میں پچھتاتا ہے۔

بیوی رومینٹک موڈ میں تھی ''اور آپ نے جو شادی سے پہلے میری نیندیں چرائی تھیں، ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' خاوند بکواس کرتو رہا ہوں وہ بعد میں ضرور پچھتاتا ہے۔''

عورت

عورت رنج میں ساتھ دیتی ہے اور راحت کو دوبالا کر دیتی ہے۔ باعصمت عورت عموماً مغرور اور شوخ ہوتی ہے کیونکہ اسے اپنی عصمت پرناز ہوتا ہے۔عورت مرد کے لئے بیش بہا نعمت اور خدائی برکت ہے۔ عورت نہایت بےتکلفی کے ساتھ شوہر سے ان مشکلات کا شکوہ کرتی ہے جو اسے گھر میں پیش آتی ہے۔لیکن اگر اُسے عیش و آرام میسر ہو تو وہ شاذ و نادر ہی اس کا ذکر کرتی ہے۔

دولے شاہ کے چوہے..

اکثر بازار میں دولے شاہ کے چوہے دیکھتا تو میری یہ خواہش ہوتی کہ میں انکے بارے میں جانکاری حاصل کروں اور اس معصوم مخلوق کے بارے میں لکھوں تاریخ میں انکے بارے میں حقیقی معلومات حاصل کرنے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن میں شکرگزار ہوں ان دوستوں کا جن کی وجہ سے مجھے کافی معلومات حاصل ہوئیں مجھے یہ تمام معلومات ایک دوست کی پوسٹ سے ملی ہیں .اورنگزیب عالمگیر کے دور میں شاہ دولا نامی ایک پیر ہوا کرتا تھا۔جس کا مزار آج بھی گجرات میں موجود ہے اس کا یہ دعویٰ تھا کہ بے اولاد خواتین اس کی دعا سے صاحب اولاد ہوسکتی ہیں اگر وہ اپنا پہلا بچہ دربار کو بخش دیں تو ورنہ وہ سزا دینے پر بھی قادر ہے۔سزا سے بچنے کے لیے مرید خواتین صاحب اولاد ہونے کے بعد اپنا پہلا بچہ دربار کو دے دیتی ان بچوں کے سر پر لوہے کی ٹوپی پہنا دی جاتی تاکہ دماغ کی نشونما روکی جا سکے۔یہ بچے نارمل زندگی گزار کے قابل نہیں رہتے اس طرح ساری زندگی مزار کے لیے بھیک مانگتے ہیں اور مزار کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہیں ان بچوں کو دولے شاہ کا چوہا بھی نام دیا گیا ہے آج بھی مزار پر دس ہزار کے الگ بھگ دولے شاہ کے چوہے موجود ہیں یوں جہالت اور اندھے اعتماد کی وجہ سے انسانیت کی تذلیل کا سلسلہ جاری ہے آج تک کسی حکومت نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ ٭-٭

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب
جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

اہلیت اور قابلیت کا امتحان

ابن لطیف

جب نواز شریف اور کلنٹن ملے تو کھانے کے بعد کلنٹن نے نواز شریف کو بتایا ''میں تو اپنی کابینہ کے ممبران کی اہلیت و قابلیت کا امتحان لے کر انہیں منتخب کرتا ہوں''۔ یہ سن کر نواز شریف بڑے حیران ہوئے پوچھا'' آپ ان کی اہلیت و قابلیت کا امتحان کیسے لیتے ہیں؟''بل کلنٹن نے کہا''ایک منٹ میں دکھا دیتا ہوں۔'' کلنٹن نے میڈیلین البرائٹ کو بلایا اور کہا ''میڈیلین مجھے بتاؤ وہ کون ہے جو آپ کے والد کی اولاد ہے اور آپ کی ماں کا بچہ ہے مگر آپ کا نہ بھائی لگتا ہے نہ بہن۔'' میڈیلین نے کہا'' بہت آسان ہے وہ میں ہوں''۔ کلنٹن نے میڈیلین کی تعریف کی۔ نواز شریف بہت متاثر ہوے جب اسلام آباد آئے تو امریکی کابینہ کے ارکان کی ذہانت کے بہت معترف تھے۔ انہوں نے اپنی کابینہ کی ذہانت چیک کرنے کے لئے سرتاج عزیز کو بلایا اور کہا'' سرتاج عزیز بتاؤ وہ کون ہے جو آپ کے والد کی اولاد ہے اور آپ کی ماں کا بچہ ہے مگر آپ کا نہ بھائی لگتا ہے نہ بہن۔'' سرتاج عزیز نے سوچا، جواب نہ بن پڑا تو کہا'' مجھے سوچ بچار کے لئے 24 گھنٹے عنایت کر دیں''نواز شریف نے کہا'' پرانے ساتھی ہو، تمہیں یہ مہلت دے دیتا ہوں۔'' سرتاج عزیز دیکھنے میں بھی'' پرانے'' ساتھی ہی لگتے ہیں پھر ان کا سر بھی تاج لگتا ہے۔ بہر حال انہوں نے سوچا، جواب نہ بن پڑا انہوں نے کیبنٹ سیکرٹری، چیف سیکرٹری، اور جائنٹ سیکریٹری کو بلوایا پورا بجٹ تیار ہو گیا مگر جواب نہ ملا 20 گھنٹے گزر گئے۔ سرتاج عزیز بڑے فکرمند ہوئے۔ صرف چار گھنٹے بچے تھے۔ انہوں نے بلآخر جارج فرنینڈس کو فون کیا اور پوچھا'' وہ کون ہے جو آپ کے والد کی اولاد ہے اور آپ کی ماں کا بچہ ہے مگر آپ کا نہ بھائی لگتا ہے نہ بہن''۔ جارج فرنینڈس نے کہا'' بہت آسان، وہ میں ہوں۔'' سرتاج عزیز خوش ہوئے۔ انہوں نے نواز شریف کو فون کیا کہ وزیر اعظم صاحب، مجھے اس سوال کا جواب مل گیا ہے اور جواب ہے'' جارج فرنینڈس'' اس پر نواز شریف نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔'' یہ جواب غلط ہے، صحیح جواب ہے میڈیلین البرائٹ''۔

(اقتباس بٹ پارے۔ ڈاکٹر یونس بٹ)

غزل۔ احمد مسعود قریشی

بوڑھے ہوئے تو عشق کا رستہ تمام شد
اُس کی گلی میں اپنا جانا تمام شد
جاتے ہیں اُس کی در پہ محبت کی آس پر
اُس نے جو کر دیا ہم سے قصہ تمام شد
کہتا ہے کون گھاٹا ہے اُلفت میں جو کرے
وہ ہنس کے ہم کو دیکھ لے گھاٹا تمام شد
پیسے کے چسکے سب کے ہیں منہ کو لگے ہوئے
پیسہ اگر ختم ہوا چسکا تمام شد
کرتا خدا ہے اچھا جو بندے کے حق میں ہو
بندہ جو سوچتا ہے وہ سوچا تمام شد
چرچا ہمارے عشق کا تھا ہر ہی گام پر
دھوکہ دیا ہے اُس نے جو چرچا تمام شد
لائے تھے گھر میں بکرا بڑی عید پر جو ایک
کھایا جو سب نے بکرا بکرا تمام شد

غزل۔ عبدالکریم قدسی

گو کنارے دریا رہتا تھا وہ مضطر عارفی
پر وہ دریا سے بڑا دریا تھا مضطر عارفی
ایک صدی کی گود میں چمکا وہ مثل ماہتاب
ایک صدی کی آنکھ کا تارا تھا مضطر عارفی
وہ شب تاریکی میں گویا چراغ آرزو
روشنی کے طاق پہ رکھا تھا مضطر عارفی
کسی محبت سے سنوارے اُس نے گیسوئے غزل
رنگ اور خوشبو کا ایک جھونکا تھا مضطر عارفی
اُس کے لہجے میں تھی خوشبو اور باتوں میں مہک
رنگا رنگ پھولوں کا گلدستہ تھا مضطر عارفی
آئینہ در آئینہ موجود تھا ہر شعر میں
عہد حاضر کا حسیں چہرہ تھا مضطر عارفی
شعر کی دنیا میں قدسی لے کے اشکوں کے چراغ
اک نرالی شان سے اُترا تھا مضطر عارفی

مشاعرہ بیاد حضرت مبارک مونگیری

گزشتہ دنوں حلقہ فکرِ جدید بہ تعاون قندیل شعروسخن برطانیہ کے زیر اہتمام ۱۶/اکتوبر بروز اتوار بوقت سات بجے شام بمقام Heslemere cummunity Hall Mitchm London ایک خوبصورت اور یادگار تقریب منعقد کی گئی۔ان کی اٹھائیسویں برسی پر مشاعرے کا انعقاد ہوا۔جو کہ اُن کے بیٹے ممتاز شاعر اقبال مجیدی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔جس کی صدارت اُردو کے ممتاز شاعر ڈاکٹر مختار الدین احمد مختار نے فرمائی۔جبکہ نظامت کے فرائض رانا عبدالرزاق خاں نے بخوبی سرانجام دیئے۔جبکہ تقریب کے مہمانانِ خصوصی محترم جمیل الرحمن جمیل،محترم یشب تمنا،اور مہمانِ اعزازی طفیل عامر مسندِ خصوصی پر جلوہ افروز تھے۔

مشاعرے میں باقی دور دور سے تشریف لائے ہوئے شامل شعراء نوین حیدر، سلطان صابری، ساجد محمود رانا،نورالجمیل نجمی، عامر امیر، امجد مرزا امجد، ڈاکٹر صوفیہ سطوت، ریڈنگ سے عذرا ناز، عابدہ شیخ بھی تشریف لائیں۔محمود علی محمود، رحیم اللہ شاد، ڈاکٹر جمال سوری، عبدالمجید ظفر، مبشر تشنہ، جلید نکانپوری، منظور ریحان، واحداللہ جاوید، پروفیسر آصف علی پرویز، رمضان شائق، عاصی صحرائی اور بہت سے شعراء نے حصہ لیا۔پہلے حصے میں رانا عبدالرزاق خان نے مبارک مونگیری کے بارے میں انتہائی معلوماتی مقالہ پڑھا۔جسے سب سامعین نے بہت سراہا۔جو کہ مختصراً مندرجہ ذیل ہے۔

مبارک مونگیری بھارت کے شہر مونگیر میں ۱۹۱۴ء کو پیدا ہوئے اور ۶/اکتوبر ۱۹۸۸ء کو کراچی پاکستان میں انتقال کر گئے۔آپ ایک ممتاز شاعر تھے۔آپ کی زندگی میں ہی آپ کے کلام کا پہلا مجموعہ کلام ''صحرا سے گلستاں تک'' ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔انکے انتقال کے بعد دوسرا مجموعہ کلام ''ذکرِ ارفع'' جو کہ نعتیہ کلام پر مشتمل ہے،شائع ہوا۔پھر تیسرا مجموعہ ''بوجھو تو جانیں'' ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔اس کے بعد چوتھا مجموعہ ''سیلِ خون'' ۲۰۰۰ء میں اور آخری ''ختم ہوا افسانہ بھی'' ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔مبارک مونگیری کو حال ہی میں ایک اور اعزاز ملا ہے،کہ جب پی ایچ ڈی کا مقالہ ''مبارک مونگیری حیات و شاعری'' شائع ہوا۔یہ ڈگری ڈاکٹر شرف الدین کو بھارت کی متھلا یونیورسٹی نے تفویض کی۔ایک اور ممتاز نقاد ڈاکٹر محمد علی صدیقی کہتے ہیں۔ مبارک مونگیری کو زبان اور بیان پر قابلِ قدر فنّی استعداد حاصل تھی،نظم ہو یا غزل، یا قطعہ نگاری، وہ ہر صنف میں استاد کا درجہ رکھتے تھے۔اصحاب ذوق کے علم کے لئے مبارک مونگیری کی شاعری پر احمد ندیم قاسمی، وزیر آغا، پروفیسر منظور حسین شورؔ، محشر بدایونی، پروفیسر نظیر صدیقی، ڈاکٹر حنیف فوقؔ، افسر ماہ پوری، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر اسلم فرّخی، شان الحق حقّی، شہزاد منظر، ادیب سہیل، مسعود ارمان، مشفق خواجہ، علی حیدر ملک، پروفیسر آفاق صدیقی، سلیم کوثر، پروفیسر جاذب قریشی، پروفیسر مجنوں گورکھپوری، پروفیسر شاہدہ حسن صاحبہ اور دیگر اہل قلم کی آراء ان کے کام اور علم کو سراہ رہی ہیں۔

مبارک مونگیری کے والد مکرم مولوی عبدالمجید صاحب ۱۹۰۸ء جج ہائی کورٹ پٹنہ انڈیا تھے۔اس طرح یہ خوبصورت اور یادگار تقریب کے پہلے مذاکراتی دور کا اختتام ہوا۔اس کے بعد محفل شعر کا آغاز ہوا۔سب شعراء نے رنگا رنگ کلام پیش کیا۔پھر نوجوان شعراء نے تو ایک رنگین سماں پیدا کر دیا ۔سامعین داد کے دونگڑے برسا دیئے۔ہر طرف سے واہ، واہ کے شور نے شعراء کے خوب حوصلے بڑھائے۔آخر پر مہمانان خصوصی اور صدر مجلس ڈاکٹر مختار الدین احمد مختار نے بہت ہی منجھے ہوئے انداز میں کلام سنایا کہ محفل سج گئی۔صدر مجلس ڈاکٹر مختار الدین احمد مختار نے فرمایا کہ یہ آج ایک یادگار مشاعرہ ہے۔ایسی خوبصورت اور یادگار محفل میرے دیکھنے میں کم ہی آئی ہیں۔رات بھیگ رہی تھی۔گیارہ بجے مشاعرہ اپنے اختتام کو پہنچا۔رانا عبدالرزاق خان اور اقبال مجیدی نے سب احباب کا تشریف لانے پر تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور پھر سب احباب کی خدمت میں پرتکلف کھانا پیش کیا گیا۔سامعین کی تعداد خاصی تھی۔یہ ایک یادگار مشاعرہ تھا۔جو ایک عظیم شاعر و ادیب جناب بیاد حضرت مبارک مونگیری منعقد کیا گیا تھا۔ (ادارہ)

صحت سے متعلق خبریں

سافٹ ڈرنکس میں موجود شکر کی غیر معمولی مقدار موٹاپے کی جانب بھی لے جاتی ہے۔ماہرین

سویڈن میں 2800 بالغ افراد کے مطالعے کے بعد کہا گیا ہے کہ 200 ملی لیٹر سافٹ ڈرنک روزانہ پینے سے ٹائپ ٹو ذیابیطس کا خطرہ دُگنا ہوجاتا ہے اور ٹائپ ون ذیابیطس کی ایک اور قسم کا خدشہ بھی بڑھ سکتا ہے جسے لیٹنٹ آٹو امیون ڈائبیٹس آف اڈلٹس (ایل اے ڈی اے) کہا جاتا ہے۔ایل اے ڈی اے کو بسا اوقات ٹائپ ون یا ٹائپ ٹو کی بجائے ٹائپ 1.5 ذیابیطس بھی کہا جاتا ہے لیکن یاد رہے کہ دنیا میں ذیابیطس کے 90 فیصد مریض ٹائپ ٹو سے تعلق رکھتے ہیں۔سویڈن میں کیرولنسکا انسٹی ٹیوٹ کے ماہرین کے مطابق سافٹ ڈرنکس میں موجود شکر کی غیر معمولی مقدار موٹاپے کی جانب لے جاتی ہے اور جب 2874 سویڈش افراد کو دیکھا گیا تو ان میں سے 1136 کو ٹائپ ٹو ذیابیطس تھا، 357 کو ایل اے ڈی اے ہو چکا تھا اور 1137 افراد صحتمند تھے۔اس رپورٹ سے ثابت ہوا ہے کہ جو نوجوان دن میں 2 مرتبہ سافٹ ڈرنک پیتے ہیں ان میں ذیابیطس کا خطرہ 4.2 گنا بڑھ جاتا ہے۔اسی طرح ایل اے ڈی اے کا خظرہ 3.5 گنا تک بڑھ جاتا ہے۔ایل اے ڈی اے آہستہ بننے والا مرض ہے جو 50 سال کے بعد قدرے شدید ذیابیطس بن جاتا ہے۔ماہرین اس تحقیق پر حیران ہیں اور اس کی اہم وجوہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اخروٹ کھائیں ذیابطیس سے بچائیں

امریکی ماہرین صحت کا کہنا ہے کہ روزانہ 56 گرام مغز اخروٹ کا مسلسل 6 ماہ تک استعمال خون کی نالیوں کو بہتر بناتا ہے اور ساتھ ہی بہت سے امراض سے بھی بچا جاسکتا ہے۔

امریکی ماہرین کے مطابق دل اور خون کی شریانیں تنگ ہونے سے ٹائپ ٹو ذیابیطس کا مرض لاحق ہوسکتا ہے جس میں انسانی جسم مناسب مقدار میں ہارمون نہیں بنا پاتا جب کہ اخروٹ میں فیٹی ایسڈز کی بڑی مقدار پائی جاتی ہے اس کے علاوہ وٹامن ای اور فولیٹ جیسے اجزاء پائے جاتے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ کیلوریز کی وافر مقدار ہونے کے باوجود بھی یہ موٹاپے کی وجہ نہیں بنتا۔امریکا میں ییل یونیورسٹی کے ماہر پروفیسر کے مطابق اخروٹ صحت پر کئی لحاظ سے مثبت اثر ڈالتے ہیں اور خصوصاً دل کو صحت مند رکھتے ہیں۔

ماہرین نے اس کے لیے ایک مختصر مطالعہ کیا جس میں ایسے مرد و خواتین نے حصہ لیا جو ذیابیطس کے کنارے پہنچ چکے تھے، ان میں سے 25 سے 75 برس کے افراد کو 6 ماہ اخروٹ کھانے کو دیئے گئے جس کے بعد 3 ماہ کا وقفہ کیا گیا اور دوسرے گروپ کو اخروٹ کھلائے گئے، یہ تمام افراد کئی امراض کے دہانے پر تھے جن میں ذیابیطس، زائد وزن، ہائی بلڈ پریشر، کولیسٹرول اور خون میں شکر کی زیادتی جیسے امراض کے قریب پہنچ چکے تھے۔نتائج کے مطابق رضا کاروں کے دونوں گروہوں میں دل، کولیسٹرول، بلڈ شوگر اور دیگر طبی کیفیات میں بہتری دیکھی گئی۔ (بشکریہ ایکسپوز نیوز)

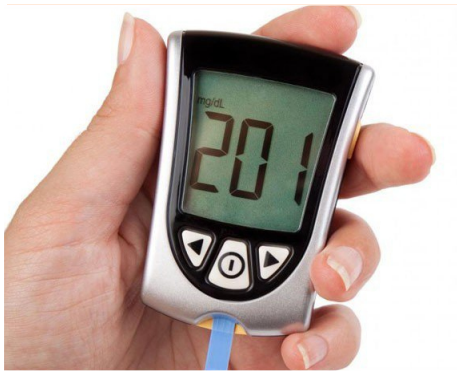

ذیابطیس کو قابو میں رکھنے کے پانچ طریق

ماہرین سب سے پہلے صحت مند طرزِ زندگی اپنانے کی اہمیت پر زور دیتے ہیں اور اس کا پہلا قدم ہے کہ خون میں شکر کی سطح کو کنٹرول میں رکھا جائے۔ تاہم ماہرین نے ٹائپ ٹو ذیابیطس کے شکار افراد کے لیے ان درج ذیل ہدایات پر عمل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

غذا کا خیال رکھیئے:

ہم جانتے ہیں کہ ہم جو کھاتے ہیں وہ خون کا حصہ بنتا ہے اور ذیابیطس میں غذا کا انتخاب بہت ضروری ہے۔ غذائی احتیاط سے اس مرض کی پیچیدگیوں کو کم کیا جاسکتا ہے۔ ٹائپ ٹو ذیابیطس کے شکار افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ کاربوہائیڈریٹس، چکنائیوں اور پروٹین کا خاص خیال رکھیں اور کم کیلیوریز والی غذا کھائیں۔ اچھی خوراک سے وزن کو قابو میں رکھنے، خون میں شکر کی مقدار کو حد پر رکھنے اور خون میں چکنائیوں کی مقدار کو کنٹرول کرنے میں مدد ملتی ہے۔

باقاعدہ ورزش

ذیابیطس کے مرض روزانہ کم از کم 30 منٹ کی ورزش کو اپنا معمول بنالیں، یہ ورزش جاگنگ بھی ہوسکتی ہے اور دیگر جسمانی مشقت بھی۔ ورزش پورے جسم پر مثبت اثر ڈالتی ہے اور انسولین کی جاذبیت بڑھا کر ٹائپ ٹو ذیابیطس کے مریضوں میں خون میں شکر کی مقدار کم کرتی ہے، ساتھ ہی چربی کم کر کے بدن کو مزید پیچیدگیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ اسی لیے ذیابیطس کے مریضوں کے لیے ورزش بہت ضروری ہے۔

تناؤ کو دور کیجئے

ذہنی تناؤ ایک خطرناک شے ہے جس سے چھٹکارا پانا ضروری ہے۔ خاص طور پر ذیابیطس کے مریضوں میں یہ بلڈ شوگر کو بڑھاتا ہے۔ یوگا، مراقبے اور دیگر طریقوں سے تناؤ کو دور کر کے خود کو پرسکون رکھئے تو اس کے زبردست اثرات مرتب ہوں گے۔

ادویات کا باقاعدہ استعمال

آپ کے ڈاکٹر نے کھانے والی جو بھی دوائیں دی ہیں ان کا ناغہ نہ کریں اور دوائیاں پابندی سے کھاتے رہیئے۔ ان میں سے بعض دوائیں لبلبے کو متحرک کرتی ہیں کہ وہ انسولین پیدا کرے اور کچھ انسولین کو بہتر بناتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اپنے ڈاکٹروں کے مشورے سے دوائیں ضرور کھاتے رہیں۔

انسولین

ٹائپ ٹو ذیابطیس کے مریض انسولین استعمال کرتے ہیں جو خون میں شکر کی مقدار برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے انسولین کا ٹیکہ ہو یا پمپ اس کا ناغہ کرنا درست نہیں۔ انسولین استعمال کرتے ہوئے اپنے معالج سے ضرور مشورہ کیجئے۔ (بشکریہ ایکسپریس نیوز)

عالمی خبریں

پاکستان غیر ملکی مہاجرین کو پناہ دینے والا تیسرا بڑا ملک ہے

انسانی حقوق کے ادارے ایمنسٹی انٹرنیشنل کی جانب سے جاری کی گئی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں اس وقت 16 لاکھ پناہ گزین رہ رہے ہیں جبکہ اردن میں 27 اور ترکی میں 25 لاکھ پناہ گزین مقیم ہیں۔ایمنسٹی انٹرنیشنل نے الزام عائد کیا ہے کہ دنیا کے امیر ممالک اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ادارے کے سیکریٹری جنرل سلیل شیٹی نے امیر ممالک سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ زیادہ تعداد میں پناہ گزینوں کو جگہ دیں۔سلیل شیٹی نے کہا ہے کہ برطانیہ اس ناکامی کی ایک مثال ہے۔برطانیہ نے سنہ 2011 سے صرف آٹھ ہزار شامی پناہ گزینوں کو پناہ دی ہے جبکہ اس کے برعکس اردن میں اس وقت تک 6 لاکھ سے زیادہ شامی پناہ گزین موجود ہیں۔ایمنسٹی نے امیر عرب ریاستوں پر بھی پناہ گزینوں کو جگہ نہ دینے پر تنقید کی ہے۔ادارے کی رپورٹ کے مطابق 56 فیصد پناہ گزین اس وقت دنیا کے دس ممالک میں رہ رہے ہیں۔سلیل شیٹی کے بقول چند ممالک پر زیادہ بوجھ ڈال دیا گیا ہے اور امیر ممالک صرف امداد بھیج کر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ان کا کہنا ہے کہ وقت آ گیا ہے کہ عالمی رہنما اس سلسلے میں سنجیدہ اور تعمیری بحث کریں کہ ہمارے معاشرے اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہونے والوں کی کیسے مدد کریں گے؟ یاد رہے کہ پاکستان میں گزشتہ تین دہائیوں سے زیادہ عرصے سے افغان پناہ گزین آباد ہیں اور جن کی تعداد چند سال قبل تک 30 لاکھ کے قریب تھی۔

'دنیا کی 92 فیصد آبادی فضائی آلودگی سے متاثر

اقوامِ متحدہ کے ادارہ برائے صحت کے مطابق دنیا میں ہر دس میں سے نو افراد آلودہ فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے بقول دنیا کی 92 فیصد آبادی ایسے مقامات پر رہتی ہے جہاں کی فضا آلودہ ہے جس کے باعث لوگوں کو عارضہ قلب، کینسر اور پھیپھڑوں کا سرطان ہونے کا خطرہ ہے۔ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے مطابق جنوب مشرقی ایشیا اور دنیا کے کئی دیگر ممالک میں ہر تین میں سے دو اموات ان بیماریوں کی وجہ سے ہوتی ہیں اور غریب ممالک میں دن بہ دن صورتحال خراب ہوتی جا رہی ہے۔ ☆'فضائی آلودگی صحتِ عامہ کے لیے سب سے بڑا خطرہ ☆ آلودگی کی پیمائش کا سافٹ ویئر تیار

ایک اندازے کے مطابق ہر سال 30 لاکھ اموات فضائی آلودگی کے باعث ہوتی ہیں۔ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے مطابق گھروں کے اندر ایندھن جلانے سے اندر کی فضا بھی آلودہ ہوتی ہے اور دنیا بھر میں ہر نو اموات میں سے ایک کی وجہ فضائی آلودگی ہوتی ہے۔فضائی آلودگی کے چھوٹے ذرات انسانی خون میں داخل ہو کر دماغ کو متاثر کر سکتے ہیں۔ترکمانستان وہ ملک ہے جہاں فضائی آلودگی کے باعث ہونے والی اموات کی شرح سب سے زیادہ ہے۔ایسے پہلے پانچ ممالک میں تاجکستان، ازبکستان، افغانستان اور مصر بھی شامل ہیں۔ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن سے وابستہ ڈاکٹر کارلس ڈورا نے خبر رساں ادارے اے پی کو بتایا کہ 'مجموعی صورتحال یہ ہے کہ امیر ممالک میں فضا کو صاف کرنے میں کافی بہتری آ رہی ہے جبکہ غریب ممالک میں حالات خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے مطابق ذرائع نقل و حمل اور کچرے کی آلودگی اور دوبارہ قابلِ استعمال توانائی کے استعمال سے فضائی آلودگی کم کی جا سکتی ہے۔

بشکریہ اخبار جہاں کراچی

انسانی جسم میں خلیوں کی تعداد کتنی ہے؟

خلیہ زندگی کی بنیادی اکائی ہے اور تمام جان دار خلیوں ہی سے بنتے ہیں۔ انسانی جسم میں اندازاً پانچ سو کھرب سے زیادہ خلیئے پائے جاتے ہیں۔ بیشتر خلیئے اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ انہیں خردبین کی مدد ہی سے دیکھا جاسکتا ہے...... ایک "O" کو بھرنے کے لیے انسانی خون کے تقریباً 40 ہزار سرخ خلیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی ہتھیلی کی جلد کو بنانے کے لیے لاکھوں خلیوں کی ضرورت ہوگی۔ بعض یک خلوی نامیاتی جان دار آزادانہ زندگی گزارتے ہیں، جب کہ دوسرے گروہوں کی شکل میں منظم ہوتے ہیں...... یہ سطریں پڑھتے ہوئے آپ کی آنکھوں کے عصبی خلیے دماغ کے خلیوں کو پیغام پہنچارہے ہیں کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں۔ آنکھ کے ڈھیلے کے گرد موجود عضلاتی خلیئے آنکھوں کو پڑھنے کے لیے حرکت دینے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔

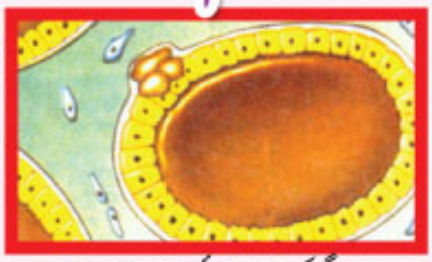

تمام خلیوں میں بعض خصوصیات یکساں ہوتی ہیں چاہے وہ مخصوص خلیے ہوں یا یک خلوی نامیاتی جان دار۔ خلیہ اسی طرح زندہ رہتا ہے جیسے ہم یا آپ...... یہ سانس لیتے ہیں خوراک استعمال کرتے ہیں اور فاضل مادے خارج کرتے ہیں۔ یہ نشوونما پاتے اور افزائش نسل کرتے ہیں اور ایک خاص وقت آنے پر مر بھی جاتے ہیں۔

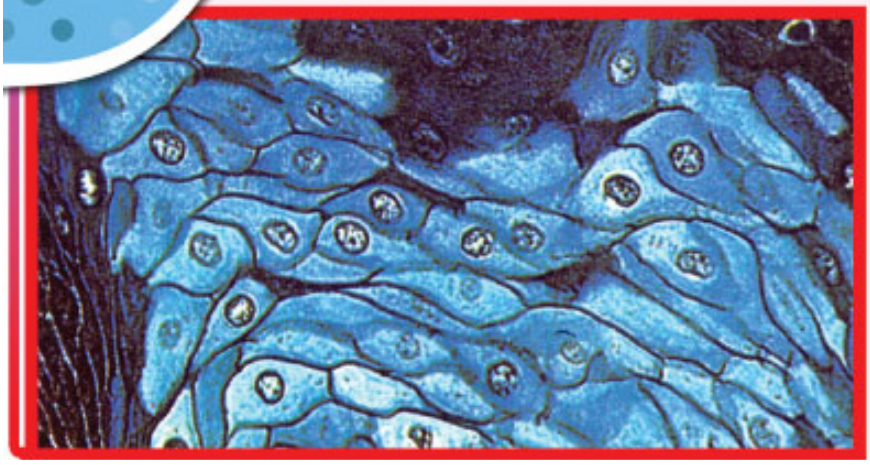

ایک خاتون نے ہٹے کٹے بھکاری سے کہا۔ ''اگر تم گھر کا کام کاج کرو تو میں تمہیں کھانا کھلاسکتی ہوں۔''
بھکاری نے کچھ سوچا پھر بولا۔ ''ٹھیک ہے لیکن پہلے مینو دکھایئے۔''

☆......☆......☆

استاد نے ایک بچے کو سزا دیتے ہوئے کہا۔ ''پچاس بار اٹھک بیٹھک کرو اور کہو میں الو ہوں۔''
شاگرد نے جواب دیا۔ ''جناب! میں پچاس بار کیا سو بار اٹھک بیٹھک کرلوں گا لیکن میں آپ کو الو کیسے کہہ سکتا ہوں؟''

☆......☆......☆

ایک بڑے ڈاکٹر سے ملاقات کا وقت لینے کے لئے مہینوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ ایک دن یہ ڈاکٹر صاحب بغیر اطلاع دیے ایک مریض کے گھر پہنچ گئے۔ مریض بہت خوش ہوکر کہنے لگا۔ ''آپ نے بڑی عنایت کی تشریف لائے لیکن آپ نے غالباً اگلے مہینے کا وقت دیا تھا؟''
مریض کی بات سن کر ڈاکٹر مسکرایا اور بولا۔ ''دراصل ہوا یہ کہ تمہارے پڑوس میں مجھے ایک مریض کو دیکھنے آنا پڑا، جب میں وہاں پہنچا تو وہ مر چکا تھا، میں نے سوچا جب یہاں آہی گیا ہوں تو ایک تیر سے دو شکار کرتا چلوں۔''

☆......☆......☆

دو بے وقوف کہیں جارہے تھے۔ راستے میں انہیں ایک جگہ دو بم نظر آئے۔ پہلا بولا۔ ''چلو یہ بم پولیس کو دے آتے ہیں۔''
دوسرا بولا۔ ''اگر راستے میں ایک بم پھٹ گیا تو......؟''
پہلے نے جواب دیا۔ ''کوئی بات نہیں، پولیس سے کہہ دیں گے کہ ایک ہی ملا تھا۔''

☆......☆......☆

مالک (نوکر سے) ''تم کیوں رو رہے ہو، بلی تو میری مری ہے؟''
نوکر۔ ''جناب! میں اب دودھ پینے کا الزام کس پر لگاؤں گا؟''

☆......☆......☆

ایک دوست دوسرے سے۔ ''اگر دنیا میں پانی ختم ہوجائے تو......؟''
دوسرا دوست۔ ''دودھ تو خالص ملے گا۔''